حیات معصومین (ع) / ۱۲

امام علی نقی علیہ السلام

حیات معصومین (۱۲)

امام علی نقی علیہ السلام

نام کتاب :- امام علی نقی علیہ السلام

مترجم :- سید علی محمد نقوی

ناشر :- سازمان فرہنگ و ارتباطات (شعبہ ترجمہ و اشاعت)

سال طبع :- شوال، ۱۴۱۸ھ

ISBN 964-472-122-5

فہرست

اہل بیتؑ

بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم

" انّما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس لھل البیت و یطھّرکم تطھیراً " (احزاب، ۳۳)

بے شک خدا کا ارادہ ہے اے اہل بیتؑ کہ وہ تم سے ہر رجس و ناپاکی کو دور رکھے اور تمھیں ایسا پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔

" قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ و من یقترف حسنۃً نزد لہ فیھا حسنا " (شوریٰ، ۲۳)

اے پیغمبرؐ ان سے کہہ دو، میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا مگر اپنے قرابتداروں کی محبت (چاہتا ہوں) جو نیکی کرتا ہے ہم اس کی نیکیوں میں اضافہ کر دیتے ہیں۔

عرض ناشر

حضرت رسول اکرمؐ اور ائمۂ معصومین علیہم السلام کی پاکیزہ حیات ہر عہد و عصر کے انسانوں کے لئے بہترین سر مشق اور نمونہ حیات ہیں اور یہ وہ حقیقت ہے جسکی حکایت قرآن کریم بھی کرتا ہے "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" (احزاب/۲۱) پیغمبر اکرمؐ اور ائمۂ معصومینؑ کے علاوہ قرآن حکیم، حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کی طیّب و طاہر حیات کو بھی بنی نوع انسان کے لئے نمونۂ عمل قرار دیتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے "قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراہیم و الذین معہ" (ممتحنہ-۴)

در حقیقت ایک مکتب فکر اس وقت تک محکم و پائیدار نہیں ہو سکتا اور لوگوں کے دل میں اپنی جگہ نہیں بنا سکتا، اگر اس میں کوئی آئیڈیل یا نمونۂ عمل نہ ہو۔ اس روشن حقیقت سے نہ صرف دینی مکاتب فکر آگاہ ہیں بلکہ اس کی اہمیت سے بے دین اور الحادی مکاتب فکر بھی نہ صرف آشنا ہیں بلکہ اس سے بھر پور فائدہ اٹھاتے ہیں اور نسلوں و قوموں کو انہی ہتھکنڈوں سے گمراہ کرتے ہیں

اور آج الحادی دنیا اس روش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے

ثقافتی و تہذیبی شبخون کے ذریعہ قوموں، تہذیبوں اور جوان نسلوں کو تباہ و برباد کرنے پر تلی ہوئی۔

ہم جو کہ مسلمان ہیں اور قرآن کریم کے دستور پر عمل کرتے ہیں اور قرآن اور "لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة" کے ذریعہ انسانیت بلکہ پوری خلقت کے بہترین نمونوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اور ان کی زندگیوں کو اپنے لئے نمونہ حیات بنانے کی تاکید کرتا ہے۔ اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ حضرت آدمؑ سے صبح قیامت تک مردوں کی صنف میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اور ائمۂ طاہرین علیہم السلام اور عورتوں کی صنف میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا جیسی شخصیتوں کی کوئی مثال نہیں ہے تو ہمیں چاہیے کہ ان ذوات مقدسہؑ کی زندگیوں سے آگاہی حاصل کریں اور ان کے کردار سے خود کو مزین کریں۔

زیر نظر کتاب حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی حیات طیّبہ کا ایک مختصر اور مفید خاکہ ہے۔ امید ہے کہ اہل ایمان اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی دنیا و آخرت کو روشن و تابناک بنالیں گے۔

والسلام

پیش لفظ

ائمہ معصومینؑ کے حالات زندگی، ان کے رہن سہن، ان کے دوسروں کے ساتھ برتاؤ اعتقادی، فقہی، قانون سازی، اخلاقی، تربیتی اور سیاسی میدانوں میں انکے ہمیشہ زندہ رہنے والے اثرات اور اپنے زمانے کے ظالم حکمرانوں کی طرف سے ان پر ڈھائے جانے والے ظلم و مصائب ان سب پہلوؤں کے بارے میں گفتگو کرنا در حقیقت اسلام کے ثمر بخش پہلوؤں کے بارے میں گفتگو کرنا ہے اور ان پہلوؤں پر گفتگو در اصل دین کی صحیح سمجھ اور راہ حق میں کی جانے والی کوششوں کے بارے میں گفتگو ہے۔

اگر انسان ائمہ معصومینؑ کی شخصی و سیاسی زندگی، ان کی علمی و دینی ذامہ داری اور اس دور میں اسلام اور اسلامی معاشرے کے حالات و مسائل پر ایک نظر ڈالے، تو اسے ان کی زندگی میں چند اہم مسائل نظر آئیں گے۔

قرآن کے لوگوں کو ان کی محبت و اطاعت کی طرف بلانے اور گناہوں نیز

غلطیوں سے ان کی پاکیزگی پر گواہی دینے کی وجہ اس کے لئے واضح ہو جائے گی. وہ سمجھ جائے گا کہ کیوں پیغمبر اکرمؐ اپنے بعد لوگوں کو اہل بیتؑ کی پیروی کی تاکید کرتے تھے اور کیوں لوگوں کو اہل بیتؑ کے ساتھ تمسک اور ان کی محبت کا حکم دیتے تھے.

رسول اکرمؐ نے حجۃ الوداع سے واپسی پر مسلمانوں کو اپنی عنقریب وفات کی خبر دی اور فرمایا:

" انی دعیت و یوشک ان اجیب وقد حان منی خفوق من بین اظهر کم وانی مخلف فیکم ما ان تمسکتم به لن تضلوا، کتاب الله و عترتی اهل بیتی، وانهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض..... " (۱)

مجھے بلایا گیا ہے عنقریب میں آواز حق پر لبیک کہنے والا ہوں اور میرے تمہارے درمیان سے اٹھ جانے کا وقت قریب آچکا ہے میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر اس کو تھامے رکھو تو کبھی گمراہ نہ ہوگے اور وہ چیز اللہ کی کتاب اور میری عترت اہل بیتؑ ہے. یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں.

معروف مورخ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں پیغمبر اکرمؐ کے حجۃ الوداع کے اسی تاریخی واقعہ کو نقل کرتے ہوئے، پیغمبر اکرمؐ سے مندرجہ بالا جملہ بھی نقل کیا ہے. (یہ پیغمبر کا آخری حج تھا جو دس ہجری میں انجام پایا) یعقوبی لکھتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ "کداء" کی طرف سے اپنے اونٹ پر سوار مکہ میں وارد ہوئے (کداء

مکہ کی اس بلندی کا نام ہے جس طرف سے اہل مدینہ مکہ میں داخل ہوتے ہیں) حضرتؑ سیدھے خدا کے گھر کی طرف تشریف لے گئے، جب حضرتؑ نے بیت اللہ کو دیکھا تو اونٹ کی مہار پر ہاتھ بلند فرمائے اور نماز سے پہلے خانہ کعبہ کا طواف فرمانے لگے اسی اثناء میں حضرت نے درج ذیل خطبہ ارشاد فرمایا۔

" نضر اللّٰه وجه عبد سمع مقالتی فوعاها و حفظها، ثم بلغها من لم يسمعها، فرب حامل فقه غير فقيه، ورب حامل فقه من هو افقه منه. ثلاث لايغل عليهن قلب امرئ مسلم. اخلاص العمل للّٰه، والنصيحة لائمة الحق واللزوم لجماعة المؤمنين. فان دعوتهم محيطة من ورائهم ... الى ان قال، لاترجعوا بعدی كفاراً مضلين يملك بعضكم رقاب بعض، انی قد خلفت فيكم ما ان تمسكتم به لن تضلوا، كتاب اللّٰه و عترتی اهل بيتی الاهل بلغت ؟ قالوا. نعم، قال. اللهم اشهد ثم قال، انكم مسؤولون فليبلغ الشاهد منكم الغائب ".

خداوند عالم خوش رکھے اس شخصت کو جس نے میری باتیں سنیں انھیں محفوظ کیا اور حفظ کیا اور پھر وہ باتیں اس شخص تک پہنچائیں جس نے انھیں نہ سنا ہو، بہت سے اہل علم و عالم نہیں ہیں اور بہت سے اہل علم اپنے سے زیادہ عالم کی طرف علم منتقل کرتے ہیں۔

مؤمن کا دل تین چیزوں سے کبھی نہیں بھٹکتا۔ایک عمل کو خالص خدا کی خاطر انجام دینا، دوسرا برحق راہنماؤں کی خیر خواہی کرنا اور تیسرا مؤمنین کی جماعت

میں شامل رہنا۔ یہ تین صفات ان کے تمام وجود پر چھائے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرتؐ نے فرمایا: میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا گمراہ نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض، بعض کو غلام بنالیں، میں دو چیزیں تمہارے درمیان چھوڑے جا رہا ہوں اگر انھیں مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے [۲]۔

آخر میں حضرتؐ نے لوگوں سے سوال کیا، کیا میں نے خدا کا پیغام تم تک پہنچا دیا؟ تو لوگوں نے کہا ہاں اے رسول خداؐ۔ تو حضرتؐ نے فرمایا: خدا گواہ رہنا، پھر فرمایا تم سب لوگوں کی ذمہ داری ہے جو حاضر ہیں وہ ان مطالب کو ان تک پہنچائیں جو حاضر نہیں تھے [۳]۔

ابن صباغ مالکی [۴] اہل بیتؑ کے مقام و منزلت، پیغمبر اکرمؐ کا ان کی پیروی پر زور دینے اور اہل بیت سے ملنے والے علوم و معارف کے استعمال کے بارے میں کہتا ہے "ابوذر کے غلام رافع نے بیان کیا ہے، ایک دن ابوذر خانہ کعبہ کی سیڑھیوں سے اوپر چڑھے اور کعبہ کے کنڈے کو پکڑ لیا اپنی پشت کعبہ کے دروازے پر ٹکالی اور یوں کہا: اے لوگو جو مجھے پہچانتا ہے سو پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا کہ میں کون ہوں وہ جان لے کہ میں ابوذر ہوں میں نے رسول خداؐ سے سنا کہ حضرتؐ نے فرمایا:

میرے اہل بیتؑ کشتی نوح کی مانند ہیں جو بھی اس کشتی پر سوار ہو گیا نجات پا جائے گا اور جو اس سے دور ہو گیا وہ جہنم کا ایندھن ہو گا، نیز میں نے حضرتؐ کو فرماتے ہوئے سنا: کہ " جان لو میرے اہل بیتؑ کی نسبت تمہارے ساتھ ایسی

ہے جیسے سر کو بدن اور آنکھ کو سر کے ساتھ ہوتی ہے بدن کی راہنمائی سر سے ہوتی ہے اور سر آنکھوں کے بغیر صحیح راستے کو نہیں جان سکتا(۵)۔

زید ابن ارقم کہتے ہیں: رسول خدا نے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ سے فرمایا:

میں تمہارے دشمنوں کا دشمن اور تمہارے دوستوں کا دوست ہوں(۶)۔

عبدالرحمن ابن ابولیلی اپنے باپ سے نقل کرتا ہے کہ رسول خدا نے فرمایا: کہ کوئی شخص ایمان کی حقیقت (کو نہیں پا سکتا مگر یہ کہ مجھے اپنے سے زیادہ چاہتا ہو اور میرے خاندان اور میری اولاد کو اپنے خاندان اور اولاد سے زیادہ چاہتا ہو(۷)۔

امام ابوالحسن بغوی اپنی تفسیر میں ابن عباس سے نقل کرتے ہیں۔

جب آیت کریمہ

"قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودة فی القربی"

نازل ہوئی تو لوگوں نے رسول خدا سے پوچھا وہ کون ہیں جن کی محبت ہم پر لازم کی گئی ہے؟ حضرتؐ نے فرمایا: علیؑ، فاطمہؑ اور ان کے دونوں بیٹے، اور حضرتؐ نے آیت کے اس حصہ "ومن یقترف حسنة نزد له فیهلسنا" کے بارے میں فرمایا: اس آیت میں حسنہ سے مراد اہل بیتؑ کی محبت ہے(۸)۔

صحابہ اور مفسرین میں سے کچھ کا نظریہ یہ ہے کہ آیت کریمہ:

"انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیراً"
پانچ ہستیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے وہ پانچ ہستیاں پیغمبر خداؐ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، اور حسینؑ ہیں (۹)۔

آیت مباہلہ بھی ان ہی پانچ افراد کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس آیت میں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے نجران کے عیسائیوں کے ساتھ مباہلہ کیا۔ ارشاد ہے:

"فان تولوا فقل تعالوا ندع ابناء نا و ابناء کم و نسائنا ونسائکم و انفسنا وانفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین"۔

اگر وہ منھ موڑ لیں (دلیلیں نہ مانیں) تو ان سے کہہ دو آؤ ہم اپنے بیٹوں کو لائیں تم اپنے بیٹوں کو لاؤ، ہم اپنی عورتوں کو لائیں تم اپنی عورتوں کو لاؤ، اور ہم اپنی جانوں کو لائیں تم اپنی جانوں کو لاؤ، پھر خدا کی درگاہ میں ایک دوسرے کے خلاف بد دعاء کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔

اس واقعہ کی تفصیلات کچھ یوں ہیں کہ نجران کے عیسائیوں کی جانب سے ایک وفد رسول خداؐ کے پاس آیا اور انھوں نے رسول خداؐ کی اسلام کے بارے میں دعوت قبول نہ کی پیغمبرؐ نے انھیں مباہلے کی دعوت دی (مباہلہ کا مطلب یہ ہے کہ دو مخالف گروہ ایک دوسرے کے خلاف بد دعاء کرتے ہیں جس کی بد عاء مؤثر واقع ہو جائے ثابت ہو جائے گا کہ وہ بر حق ہے) انھوں نے طے کر لیا کہ اگلے دن مباہلہ کے لئے حاضر ہو جائیں گے۔

اگلے دن کی صبح کو پیغمبر علیؑ ، فاطمہؑ ، حسنؑ اور حسینؑ کے ہمراہ صحرا کی طرف نکلے تاکہ دعاء کریں. جو دعاء ایسی ہستیوں کی طرف سے ہوگی یقیناً قبول ہوگی ،اس کے بعد حضرتؐ نے کسی کو عیسائیوں کے وفد کی طرف بھیجا لیکن وہ مباہلہ پر آمادہ نہ ہونے اور شہر سے چلے جانے کو قبول کر لیا ، حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا:

" والذی بعثنی بالحق لوفعلا المطر الوادی ناراً "[10]

قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اگر وہ ہمارے مقابلے پر آجاتے تو یہ وادی آگ کی بارش سے بھر جاتی.

جابر ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت مباہلہ انہی پانچ ہستیوں کی شان میں نازل ہوئی.

شعبی کہتے ہیں ابنائنا (ہمارے بیٹے) سے مراد حسنؑ و حسینؑ ،نسائنا (ہماری عورتوں) سے مراد فاطمہؑ اور انفسنا (ہماری جانوں) سے مراد علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں[11].

یہ چند نمونے تھے قرآن کریم اور احادیث رسول اکرمؐ کے اور جو اہل بیتؑ کی پہچان اور خدا کی درگاہ میں ان کے عظیم مرتبے کر نشان دہی کرتے ہیں. ان نکات پر توجہ کرنے سے پتہ چل جاتا ہے کہ ائمہ اطہارؑ سے عشق و محبت ،ان کی پیروی و اطاعت کیوں ضروری ہے اور ان کے علوم و معارف ، اخلاق ، حدیث عقائد اور جہاد کے بے کراں سمندر سے سیراب ہونا اور ان کے حیات بخش

مکتب جو کہ علم و عمل، راہ حق میں جہاد، مشکلات میں پائیداری اور انحراف و برائیوں کے مقابلے میں استقامت جیسے خصوصیات کا مجموعہ ہے اس سے ہدایت حاصل کرنا کیوں ضروری ہے.

بے شک اگر کوئی تاریخ اسلام کے واقعات پر گہری نظر ڈالے اور آئمہؑ کی شخصیات کا مطالعہ کرے اور بالترتیب حضرات علیؑ، حسنؑ حسینؑ علیؑ ابن الحسینؑ، محمدؑ ابن علیؑ، جعفرؑ ابن محمد، موسیٰؑ ابن جعفرؑ، علیؑ ابن موسیٰؑ، محمدؑ ابن علیؑ، علیؑ ابن محمدؑ، حسنؑ ابن علیؑ اور امام آخر الزمان مھدیؑ ابن حسن عسکریؑ کے حالات زندگی کے بارے میں نجیتہ اور گہری معلومات حاصل کرے. ان بزرگ شخصیات کی زندگی کے علمی سیاسی اور معاشرتی پہلوؤں کے بارے میں غور و فکر کرے. اور ان کے زہد، تقوی اور عبادت کو دیکھے تو وہ یقیناً جان لے گا کہ یہی امت محمدی کے بر حق پیشوا ہیں اور یہی لوگوں کی پناہ گاہ اور ہر زمانہ میں اس امت کے مصلح ہیں.

یہ وہ پیشوا ہیں کہ ان کے دور کے تمام انقلابی لیڈر اور سیاسی شخصیات ان کے عظیم مربتے اور ان کی لوگوں کے دلوں پر حکومت کو بخوبی سمجھتے تھے. ان معصومینؑ میں ہر ایک اپنے زمانے میں شخصیت کے لحاظ سے زبان فرد خاص و عام تھا. اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنے زمانے کی سیاسی اور علمی تحریکوں کا محور تھا. اور اپنے زمانے کے استبداد کے خلاف جہاد میں ہمیشہ صف اول میں نظر آتا تھا اور ان زمانے کے بڑے بڑے دانشوروں کو ان کی شاگردی کا

شرف حاصل تھا۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم امام علی نقی علیہ السلام کی زندگی کا جائزہ کرلیتے ہوئے ،تاریخ کی اس درخشان حقیقت کے کچھ حصوں سے نقاب کشائی کریں ،اور ان ائمہ معصومینؑ سے ایک امام کے حالات سے آگاہی حاصل کریں۔

جنھوں نے علم اپنے اجداد سے ورثے میں پایا اپنی زندگی میں امامت کے عظیم عھدے پر فائز ہوئے اور اس تاریخی ذمہ داری کا بھاری بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھایا۔

مبارک خبر

پیغمبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

"کل بنی ام ینتمون الی عصبتھم الا ولد فاطمة فانی انا ابوھم و عصبتھم" (۲).

تمام لوگوں کی نسبت ان کے باپ کی طرف ہوتی ہے سوائے فاطمہ کی اولاد کے کہ ان کا باپ میں ہوں اور ان سے پدری قرابت رکھتا ہوں۔

"نحن اھل بیت یتوارث أصاغرنا عن اکابرنا القذة بالقذة" (۳).

ہم اہل بیتؑ کے چھوٹے اپنے بڑوں سے سب کچھ وراثت میں پاتے ہیں یہاں تک کہ ان ہی جیسے ہو جاتے ہیں جیسے تیر کے پر ایک جیسے ہوتے ہیں۔

شہر مدینہ کے ایک، باشرف و باعظمت گھرانے یعنی بیت نبوت میں امام علی نقیؑ ابن امام محمد تقیؑ ابن امام علی رضاؑ ابن امام موسیٰ کاظمؑ ابن امام جعفر صادقؑ

ابن امام محمد باقرؑ ابن امام علی زین العابدینؑ ابن امام حسینؑ ابن فاطمہ زہراءؑ بنت رسول خداؐ وابن امام علی ابن طالبؑ نے آنکھیں کھولیں (۱۴)۔

یہ وہ شجرہ طیبہ ہے کہ جو مصلح بشریت، رسول ہدایت اور خیر خواہ امت یعنی حضرت محمد صلی الہ علیہ وآلہ کی ذات گرامی تک جا پنہچتا ہے۔ امام ھادیؑ اس ثمردار درخت کا ایک ثمر تھے اور زمان و مکان پر سایہ فگن اسی درخت کی ایک شاخ تھے۔ تاریخ بشریت پر سایہ فگن اس درخت کے زرین ورق شھدائے اہلبیتؑ کے پاک خون اور علماء کی سیاھی سے لکھے گئے ہیں۔

امام ھادیؑ نے مدینے کے ایک محلے "صریا" میں نیم ذی الجہ (۱۵ ذی الحجہ) ۲۱۲ ھجری قمری میں ولادت پائی حضرت کی ماں کا نام امّ ولد تھا اور انھیں سمانہ بھی کہا جاتا تھا (۱۵)۔

امام ھادیؑ کی تربیت اپنے پدر بزرگوار امام جواد علیہ السلام کے ذریعے ہوئی اور انہی کے سایہ میں پلے بڑھے، امام جوادؑ علوم اہل بیتؑ کے وارث تمام علوم و معارف کے حامل اور لوگوں کو ہدایت کی طرف بلانے والے تھے اور اپنے آباد و اجداد کی طرح اپنے زمانے کے امام تھے، امام جوادؑ اپنے زمانے کے مشہور بزرگوں میں سے تھے اور علماء، سرکاری ملازموں اور سیاسی لوگوں میں انھیں بڑی قدر کی نظر سے دیکھا جاتا تھا عوام میں بھی ان کا نام بڑی عزت و احترام سے لیا جاتا تھا۔ لوگوں کی نظروں میں ان کا مقام ورتبہ معاشرے کے امام و رہبر کا تھا۔

لوگ انھیں خاندان اہل بیتؑ کا بزرگ اور اپنا پیشوا سمجھتے تھے باوجود اس

کے کہ اس زمانے کی سیاسی فضا مکمل طور پر ولایت اور اہل بیتؑ کے خلاف تھی لیکن کسی میں یہ جرات نہیں تھی کہ لوگوں کے دلوں میں امام کی اس قدر و منزلت پر پردہ ڈال سکے.

عباسی خلیفہ مامون کی بنی عباس کے دوسرے سرکردہ افراد کے سامنے امام کی حمایت میں تند گفتگو اسی تاریخی حقیقت سے نقاب کشائی کرتی ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب مامون نے اپنی بیٹی ام الفضل کی شادی امام جوادؑ سے کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت امام کی عمر مبارک نو سال تھی مامون کے اس ارادہ نے بنی عباس کے دلوں میں ہلچل مچادی وہ اس پر اعتراض کرنے لگے، مامون کے ساتھ ہونے والی ان کی گفتگو کے کچھ حصے یوں تھے. "اے مامون! خدا کے لئے اپنی بیٹی کی شادی امام رضاؑ کے بیٹے سے کرنے کے بارے میں اپنے ارادہ پر دوبارہ غور کرو، ہمیں خطرہ ہے کہ اس صورت حال کے نتیجہ میں ہم خداوند عالم کی اس نعمت سے ہاتھ دھولیں، اور یہ عزت کا لباس جو ہمارے بدن پر ہے اسے ہاتھ سے دے بیٹھیں، تمھیں ماضی میں ہمارے اور ان لوگوں (اہلبیتؑ) کے درمیان پیش آنے والے حالات کا مکمل علم ہے، تم جانتے ہو کہ تم سے پہلے خلفاء راشدین کیسے ان کے ساتھ تحقیر آمیز رویہ رکھتے تھے اور انھیں دور دراز کے شہروں کی طرف شہر بدر رکھتے تھے، ہم نے تمہارے امام رضاؑ کے ساتھ رویے کے نتائج بھی دیکھ لئے کہ خدا کے فضل و کرم سے وہ خطرہ ٹل گیا[۱۹].

بنی عباس اس اقدام سے پیدا ہونے والے خطرات کو بیان کرنے لگے اور

مامون سے اصرار کرنے لگے کہ اپنے ارادے سے منصرف ہو جائے، لیکن اس سلسلہ میں انھیں کچھ کامیابی نہ ہوسکی اور مامون اپنے ارادے پر مصر رہا کیونکہ اس دور کے سیاسی حالات کا تقاضا یہی تھا کہ مامون زیادہ سے زیادہ اپنے آپ کو اہل بیتؑ سے نزدیک کرے اور عباسی حکومت اور اسلامی امت کی حقیقی امامت کے درمیان ارتباط پیدا کرے تاکہ لوگوں کے انقلابی نظریات اور غیظ و غضب میں کمی لاکر ان کی حمایت حاصل کرسکے۔ لہذا مامون نے بنی عباس کے اعتراض سننے کے بعد انھیں جواب دیتے ہوئے امام جوادؑ کی شخصیت اور بلند علمی مقام کو یوں بیان کیا، "ان (امام رضاؑ) کا بیٹا محمدؑ کم سنی کے باوجود اپنے زمانے میں سب سے بڑا عالم، حلیم، عارف اور آدیب ہے اس وجہ سے میں نے اس کا انتخاب کیا ہے۔ لوگوں نے کہا یہ کم سن بچہ ہے اہل علم و ادب کیسے ہوگیا اسے ابھی لکھنے پڑھنے دو۔ اس کے بعد جیسے چاہو اس کے ساتھ برتاؤ کرو۔ مامون نے کہا تو کیا تمھیں میری بات تسلیم میں تردد ہے؟ اگر اسے آزمانا چاہو تو آزما سکتے ہو یا کسی کو بھیجو جو اسے آزمائے اگر تم اپنے آپ کو حق پر ثابت کرسکو تو مجھے سرزنش کرنا"[۱۷]۔

بنی عباس اپنے نظریات سے منصرف نہ ہوئے یہاں تک کہ انھوں نے امام جوادؑ اور مشہور عباسی فقیہ اور قاضی یحیی ابن اکثم کے درمیان مناظرے کا بندوبست کیا، مناظرہ شروع ہوا تو یحیی ابن اکثم نے امام کی طرف رخ کرتے ہوئے پہلے سے تیار شدہ سوالات پیش کئے۔ امامؑ نے اس کے تمام سوالوں کے

جواب اچھی طرح سے دیئے. اور حقیقت کو کھلے لفظوں، قوی دل، خندہ روئی اور مستحکم منطق کے ساتھ بیان فرمایا اس طرح سے کہ حاضرین حضرت کی فصاحت اور نپے تلے انداز گفتگو سے عش عش کر اٹھے (۱۸).

امام رضاؑ کی حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے جس میں حضرتؑ نے فرمایا:

"نحن اهل بيت يتوارث اصاغرنا عن اكابرنا القذة بالقذة"

اہل بیتؑ کی امامت نے اسلام کی حفاظت، اور امت کی ہدایت میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے اور ان کی امامت ہی انسانی معاشرے کے کمال کی ضامن اور مستقبل کی تاریخ ساز تھی.

اگر اہل بیت اطہارؑ کی زندگی، ان کی عظیم تاریخی ذمہ داری اور دین اسلام کی حفاظت میں ان کا کردار جو کبھی علمی ثقافتی صورت میں تھا اور کبھی ظلم و جور کے خلاف جہاد و مبارزہ کی صورت میں، کا دقیق مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل بیتؑ میں منصب امامت کی بقاء سنت النبیؐ اور انسانی سماجی ضرورت کے لئے انتہائی ضروری تھا جس سے گریز ممکن نہیں اور مسلمان اہل بیتؑ سے نہ کبھی مستغنی تھے اور نہ کبھی مستغنی ہو سکیں گے.

جو شخص معصومینؑ کے حالات زندگی کا مطالعہ کرے وہ یہ حقیقت جان لے گا کہ یہ ہستیاں اپنے زمانے کی تمام علمی، سیاسی اور نظریاتی تحریکوں کی روح رواں تھیں. اور یہ حقیقت کسی محقق سے ڈھکی چھپی بھی نہیں ہے اماموں کے حالات

زندگی سے یہ بات بھی جانی جاسکتی ہے کہ اپنے زمانے کے حالات کو دیکھتے ہوئے ائمہ اطہارؑ نے معاشرے کی علمی و ثقافتی ترقی میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔

یہیں سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ہر امام کا ایک خاص زمانے میں آنا اور یوں منصب امامت کا برقرار رہنا ایک معمولی مسئلہ نہیں ہے کہ انسان آنکھیں بند کر کے اس سے گزر جائے اور مسئلہ امامت کوئی ایسا ساختہ پرداختہ منصب نہیں ہے۔ جسے ائمہؑ کے بہی خواہوں نے پیدا کیا ہو جیسا کہ بعض سلسلے اسی طرح چلتے ہیں اور موروثی طور پر ایک ملک کی باگ ڈور افراد سنبھالتے رہتے ہیں۔

بلکہ امامت قاعدہ لطف خدا کی بنیادوں پر خود خداوند کا بنایا ہوا منصب ہے اور دین اور مسلمانوں کی سرنوشت اسی کی مرہون منت ہے۔

اگر امامت کے سلسلہ کو اوپر تک پہنچائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ تمام اماموں نے امامت حضرت علی علیہ السلام ہی کے طریقہ سے پائی ہے حتیٰ کہ حضرت مہدی (عج) بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ ہر امام لوگوں کو اپنے بعد والے امام کی شناخت کراتا رہا، جس سے لوگوں کو معلوم ہو جاتا تھا کہ کون سا بیٹا باپ کا جانشین ہوگا۔ اس حقیقت کو حکام وقت بھی جانتے تھے۔ اسی طرح ہر امام اپنے زمانے کی تحریکوں کا محور تھا اور لوگوں کی علمی و عملی پیشوائی اسے حاصل تھی۔ اور انھیں اس طرح اس منصب پر شہرت حاصل تھی کہ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا مجھے اس بارے میں کوئی اطلاع نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ ظالم حکمرانوں کو ائمہ اطہارؑ کی طرف سے خطرہ لگا رہتا تھا اور وہ انھیں دبانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے، معاویہ کی حضرت علیؑ و حضرت حسنؑ کے ساتھ جنگیں، یزید کی حضرت امام حسینؑ و امام سجادؑ کے ساتھ جنگ، ہشام ابن عبدالملک کی امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ کے ساتھ چپقلش، ہارون رشید کی امام موسیٰ کاظمؑ کے ساتھ، مامون کی امام رضاؑ کے ساتھ، معتصم کی امام جوادؑ کے ساتھ اور متوکل کی امام ہادیؑ کے ساتھ چپقلش اسی فکر کا شاخسانہ تھی یہ ٹکراو آج بھی جاری ہے اور بارہویں امامؑ کے ظہور تک جاری رہے گا. امام جوادؑ نے اپنے بعد والے امام کی تعیین فرمائی جیسا کہ ان سے پہلے ائمہؑ کا طریقہ کار رہا تھا، یہاں اسی بارے میں ہم چند روایات ذکر کرتے ہیں.

اسماعیل ابن مھران سے روایت ہے:

"جب امام جوادؑ نے معتصم کی درخواست پر مدینہ سے بغداد سفر کا قصد کیا تو میں نے عرض کیا میں آپ پر فدا ہو جاؤں مجھے اس سفر میں آپ کی طرف سے فکر ہے آپ کے بعد ہمارا ولیٔ امر کون ہوگا؟ تو امام جوادؑ نے اتنا گریہ فرمایا کہ ان کی ریش مبارک تر ہوگئی اس کے بعد میری طرف منہ کیا اور فرمایا:

" الامر من بعدی لولدی علی علیہ السلام "

میرے بعد میرا بیٹا علیؑ آپ کا امام ہوگا (۱۹).

شیخ مفید فرماتے ہیں ابوالقاسم جعفر ابن محمد، محمد ابن یعقوب سے وہ حسین ابن محمد سے، وہ خیرانی سے اور وہ اپنے باپ سے میرے لئے روایت کرتے ہیں.

"کہ میں اس ذمہ داری کی وجہ سے جو مجھ پر تھی ہمیشہ امامؑ کے گھر میں رہتا تھا، احمد ابن محمد ابن عیسیٰ اشعری روزانہ سحر کے وقت آتا تھا تاکہ امام کی بیماری کے بارے میں خبر لے، جب بھی خیرانی اور امام جوادؑ کے درمیان رابطہ رکھنے والا شخص آتا تو احمد اپنی جگہ سے کھڑا ہو جاتا اور وہ شخص وہاں بیٹھ جاتا، خیرانی کہتے ہیں ایک رات امام جوادؑ کا قاصد میرے پاس آیا احمد اٹھا اور دور جاکر کھڑا ہو گیا. اتنے فاصلہ پر رکا رہا تاکہ ہماری باتیں سن سکے امامؑ کے قاصد نے کہا تیرے مولیٰ تجھے سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میری موت کا وقت قریب ہے میرے بعد میرا جانشین میرا بیٹا علیؑ ہوگا.

میرے باپ کی وفات کے بعد جو حق میرا تم لوگوں کی گردنوں پر تھا میری وفات کے بعد علیؑ کا وہی حق تم سب پر ہوگا، قاصد یہ پیغام پہنچا کر چلا گیا احمد میرے نزدیک آیا اور پوچھا اس نے کیا کہا، تو میں نے اسے جواب دیا، سب ٹھیک ہے.

احمد نے کہا جو کچھ اس نے کہا وہ میں نے سن لیا ہے اور پھر وہ تمام باتیں دھرا دیں، میں نے اسے کہا تم نے یہ حرام کام کیا ہے کیونکہ قرآن میں خداوند نے اس سے منع فرمایا ہے. ("ولاتجسّسوا" لوگوں کی جستجو اور ٹوہ میں مت رہو.) اب جب کہ تم سن چکے ہو تو اس پر گواہ رہنا شاید کسی دن اس بارے میں گواہی دینے کی ضرورت پڑ جائے. اس وقت کا انتظار کرو،

خیرانی مزید کہتے ہیں اگلے دن میں نے امامؑ کے فرمان کو جدا جدا دس کاغذ پر

لکھاان پر مہرلگاکر اپنے دس بزرگ اصحاب کی طرف بھیج دیااور انھیں لکھ بھیجاکہ اگر ان وراق کے تم سے طلب کرنے سے پہلے میری وفات ہو جائے تو ان خطوں کو کھول کر ان میں جو کچھ لکھاہوا ہے اس پر عمل کرو.

امام جوادؑ کی وفات ہو چکی تو میں اپنے گھر سے نہ نکلا یہاں تک کہ مجھے خبر ملی امام جوادؑ کے بڑے بڑے اصحاب محمد ابن فرج کے گھر میں جمع ہیں تاکہ بعد والے امام کے بارے میں گفتگو کریں . محمد ابن فرج نے خط کے ذریعے مجھے اصحاب کے اجتماع کی خبر دی اور بتایا کہ اگر تمہارے پہچان لئے جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں سب اصحاب کو لیکر تمہارے پاس چلا آتا لہذا ہم چاہتے ہیں کہ تم ہی آجاؤ ، خیرانی کہتے ہیں میں محمد ابن فرج کے گھر چلا گیا ، جب ان کی مجلس میں داخل ہوا تو دیکھا کہ سب لوگ وہاں پر موجود ہیں اور پریشان ہیں جن لوگوں کو میں نے خط بھیجے تھے ان سے میں نے کہاوہ خط نکالو ، انھوں نے وہ خط نکالے تو میں نے کہا ، یہی وہ چیز ہے جس کا مجھے حکم دیا گیا ہے تو انھوں نے کہاکہ ہم تسلی و اطمینان خاطر کے لئے چاہتے کہ تم اس امر پر کوئی گواہ بھی لاؤ .

تو میں نے کہاجسے تم دوست رکھتے ہو خدا اسے لایا ہے اور وہ ابو جعفر اشعری ہے وہ اس امر میں سب کے سامنے گواہی دے گا جب اس سے شہادت چاہی گئی تو اس نے شہادت دینے سے انکار کر دیا . اصحاب نے اسے مباہلہ کی دعوت دی اس چیز نے اسے ڈرا دیا اور اس نے کہاکہ ہاں میں نے یہ باتیں سنی تھیں یہ وہ فضیلت ہے [۳۰] جو میں چاہتا تھاکہ عرب میں سے کسی ایک شخص کے پاس رہے

لیکن اس مباہلہ کی دعوت کے نتیجہ میں گواہی چھپانے کا چارہ نہیں رہا، ابو جعفر اشعری کی گواہی کے بعد وہ لوگ امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں جانے کے لئے وہاں سے چلے گئے [۲۱]۔

یہ تاریخی سند دینی و ثقافتی لحاظ سے بہت اہمیت کی حامل ہے بے خصوصاً جب کہ ہم اہل بیتؑ میں منصب امامت کی بقاء کے قائل ہوں۔ کیونکہ ہر امام نے اپنے بعد والے امام کی نشاندہی کر کے امامت کے لئے اس کی لیاقت کو ثابت کر دیا ہے یعنی وہ شخص امام کی تعیین کرے جو خود لوگوں کی نظروں میں امام ہے واضح ہے کہ لوگوں کی نظروں میں بعد والے امام کی شخصیت و اعتبار کو زیادہ کرنے کے لئے یہ اقدام نہایت موثر ہے۔

ایسی روایات کثرت سے موجود ہیں جن میں پہلے امام کے ذریعہ بعد والے امام کی تعیین کی گئی ہے اور چونکہ یہ روایات حضرت رسول خداؐ اور کتاب اللہ تک پہنچتی ہیں لہذا اہلبیتؑ کی امامت کو ماننے بغیر چارہ نہیں رہتا۔ یہ وہ نکتہ ہے کہ جس پر اکثر مفسرین اور محدثین متفق ہیں لہذا کہا جاسکتا ہے کہ امام جواد علیہ السلام کا اپنے بیٹے امام ھادیؑ کو اپنے بعد کے لئے امام معین کرنا امام ھادیؑ کی عظیم شخصیت پر بہترین دلیل ہے۔ اور حضرت کی امامت علمی مرکزیت اور تقوی کی صلاحیتوں پر مہر تائید ہے۔

امام ھادیؑ کے ذاتی خصوصیات

اسلام کا سب سے پہلا مقصد با اعتقاد اور باکمال انسانوں کی پرورش کرنا اور معاشرے کو وحی الٰہی کے اصولوں کے مطابق کمال کی راہ پر گامزن کرنا تھا۔ اسلام کی نظر میں امام ہی وہ شخصیت ہے جس کے ذریعے انسان راہ کمال کو طے کر سکتے ہیں اور امام ہی معاشرے کا روشن چراغ اور علمی نمونہ ہے وہی ہے جو لوگوں کو زندگی کے طور طریقے سکھاتا ہے اور خود تمام الہیٰ اقدار کا مظہر کامل ہے۔

امام کے عظیم مقام و رتبے کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

" واذا ابتلی ابراھیم ربه بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما، قال ومن ذریتی ؟ قال لاینال عھدی الظالمین " (بقرہ/۱۲۴)۔

جب ابراہیمؑ کو خدا نے چند کلمات کے ساتھ آزمایا اور ابراہیمؑ نے وہ امتحان مکمل کر لئے تو خداوند نے ان سے کہا میں تمھیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں اس پر ابراہیمؑ نے کہا کیا میری اولاد میں بھی یہ سلسلہ برقرار رہے گا تو خطاب ہوا میرا عھدہ ظالموں کو نہیں مل سکے گا۔

ایک اور آیت میں خدا کے بندوں کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے انھیں بشریت کے لئے نمونہ عمل قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔

" والذین اذا ذکروا بآیات ربھم لم یخروا علیھا صما وعمیانا۔"

" والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما" (فرقان۔ ۷۳ ر ۷۴)۔

وہ لوگ جو خدا کی آیات کو سنتے ہیں اور ان سے کان آنکھ بند نہیں کر لیتے اور وہ جو کہتے ہیں خدایا ہمیں ہماری ازواج اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر۔ اور ہمیں متقیوں کا امام بنا دے۔

اسلام میں امام و رہبر کی سب سے بڑی صفت تقوی و علم ہے۔ یہ خصوصیات پیغمبروں، اصالحین ان کے پیروکاروں اور قرآن کی راہ پر چلنے والوں کے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب ابراہیمؑ مقام امامت پر پہنچتے ہیں تو خداوند سے درخواست کرتے ہیں کہ یہ عظیم نعمت ان کی اولاد میں بھی برقرار رکھی جائے تو خداوند کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ امامت کا عظیم منصب ظالموں کو نہیں مل سکتا، چاہے وہ لوگ جو اپنے آپ پر ظلم کریں چاہے وہ جو دوسروں پر ظلم کریں۔

اس آیت میں قرآن نے ہمیں امامت اور معاشرے کے رہبر کی کلی خصوصیات سے مطلع کر دیا ہے۔ وہ امامت جو خداوند نے بشر کے لئے قرار دی ہے اس کے چند خصوصیات یہ ہیں۔ تقوی، علم، صحیح راستے پر لوگوں کی رہنمائی کی

طاقت اور کاروان انسانیت کو کامیابی کے ساتھ ہدایت کے ساحل پر پہنچا دینا، آیت کریمہ کے اس حصے " لم یخروا علیھا صماً و عمیانا " سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصول حیات اور ہستی کے بارے میں امام کا علم اور اس کی معرفت عمیق اور گہری ہونی چاہیے اور امام کو احکام خدا اور ان پر عمل کی کیفیت سے مکمل مطلع ہونا چاہیے تاکہ ان کی بنیادوں پر معاشرے کو کمال کی طرف گامزن کرسکے۔

اور ایک دوسری آیت آیا ہے۔

" افمن یھدی الی الحق ان یتبع امن لایھدی ؟ "

آیا اس کی پیروی کرنا زیادہ مناسب ہے کہ جو راہ حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے یا اس کی کہ جو خود گمراہ ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اطاعت و پیروی اس کی مناسب ہے کہ جس کا اتباع انسان کی سعادت و خوشبختی کا موجب بن سکے۔ اور آیت۔ " ربّنا واجعلنا للمتقین اماماً " سے واضح ہو جاتا ہے کہ خود امام کو بھی متقی و پرہیزگار ہونا چاہیے۔ تاکہ متقی و پرہیزگار لوگ اس کی پیروی کریں۔ اگرچہ رہبری کے لئے صرف پرہیزگاری کافی نہیں ہے۔

پس اسلامی سماج کے رہبر اور ولی امر کے لئے ضروری ہے کہ وہ کامل مظہر ہو احکام الٰہی اور سیاسی قیادت کے امور میں علمی و عملی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس لحاظ سے امام و رہبر کے ذمے کچھ حقوق ہیں جن کا پورا کرنا اس پر ضروری ہے اگر وہ اپنے فرائض کو انجام نہ دے تو اسے لوگوں سے یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ

لوگ بھی اس کے حقوق کو پورا کریں گے پس رہبر میں صرف سیاسی سوجھ بوجھ کا ہونا کافی نہیں ہے بلکہ اس میں شریعت کے قوانین و اصول پر عمل کروانے کی بھی قدرت ہونی چاہیے لہذا آیت کریمہ میں ارشاد ہے:

" افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لایھدی "

علمی ہدایت کا لازمہ یہ ہے کہ امام کی پیروی و اطاعت کی جائے یہی وجہ ہے کہ اسلام میں اسلامی حکمرانوں اور اماموں کے لئے علمی و عملی صلاحیت لازمی شرط ہے لہذا ہمیں حکم ہوا ہے کہ ائمہ اطہارؑ کے معتقد رہیں اور پرہیزگاروں کے امام اور نیکی و سعادت کے رہنما کے عنوان سے ان کی پیروی کریں۔ یہاں پر آکر پیغمبر اکرمؐ کی اس زندہ جاوید وصیت کی اہمیت ظاہر ہو جاتی ہے:

" انی تارک فیکم الثقلین ، کتاب اللّٰہ وعترتی اھل بیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا۔ "

ایک دوسری حدیث میں حضور اکرمؐ نے اس وصیت کی دلیل بھی ذکر فرمائی کہ " نحن اھل البیت لایقاس بنا احد "

ہم اہلبیتؑ کے ساتھ کسی کا موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔

امام ھادیؑ اس مقدس سلسلہ امامت کی ایک کڑی تھے اور علم و تقوی و کمال میں سر آمد روزگار اپنے زمانے کی علمی و سیاسی تحریکوں میں سب سے پیش پیش اور ظالم حکمرانوں کے خلاف آہنی دیوار سمجھے جاتے تھے۔

حضرتؑ تمام نیک خصلتوں اور بندگی و عبادت کا نمونہ تھے، مجاھدوں آزادی

کے لئے لڑنے والوں اور ظلم پر چپ نہ بیٹھنے والوں کے لئے نمونہ تھے اور علم و عمل کے روشن چراغ تھے۔

جن دانشوروں نے آپکی سوانح عمریاں لکھی ہیں انھوں نے امام ھادیؑ کے اخلاقی خصوصیات اور علمی عظمت و فضلیت پر ضرور روشنی ڈالی ہے۔

ابو عبد اللہ جنید بیان کرتے ہیں۔

خدا کی قسم وہ روئے زمین پر بہترین مرد اور اپنے زمانے کے افضل ترین انسان تھے[۴۲]۔

ابن صباغ مالکی امام ھادیؑ کے فضائل و محاسن کمال الدین ابن طلحہ کی زبان سے نقل کرتے ہیں۔ کمال الدین کہتے ہیں "وہ فضائل و کمالات کے آسمان پر سورج کی مانند چمکتے ہیں ان کی مثال صدف میں موجود قیمتی گوھر کی سی ہے۔ کمال الدین کے بقول حضرت تمام اخلاق حسنہ کے حامل تھے اور خاندان پیغمبرؐ میں بڑے بلند مرتبے پر فائز تھے[۴۳]۔

امام کے سخت ترین دشمن متوکل عباسی نے جو خط امام کی خدمت میں لکھا، اس میں اس نے صحیح طور پر حضرت کی عظیم شخصیت اور ان کی بلند قدر و منزلت کا اعتراف کیا وہ حضرت کی ان خصوصیات کو نہ چھپاسکا۔ جب مدینہ میں متوکل کے گورنر عبداللہ ابن محمد نے امام ھادیؑ کی سیاسی سرگرمیوں کے بارے میں بڑھا چڑھا کر خبریں متوکل کو بھیجیں تو امام ھادیؑ کو اس کی جب خبر پہنچی حضرتؑ نے متوکل کو خط لکھا اور وضاحت کی کہ یہ سب بے بنیاد تہمتیں ہیں تو

متوکل نے امام کے جواب میں جو خط لکھا وہ حضرتؑ کے فضائل و کمالات سے بھرا ہوا تھا اس خط میں متوکل نے حضرتؑ کو سامراء آنے کی دعوت دی، اس کے خط کا متن یہ ہے۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم: اما بعد آپ کو بتادوں کہ امیرالمومنین آپ کے مقام و منزلت سے آگاہ ہے اور حق قرابت کی رعایت کرتا ہے اور آپ کے حق کو ادا کر دیا ہے. آپ کی نیز آپ کے خاندان کی مصلحت کے مطابق عمل کیا کرتا ہے اور آپ کے احترام و عزت کا خیال رکھتا ہے...... اس کے بعد لکھتا ہے، امیرالمومنین (متوکل) عبداللہ ابن محمد کو معزول کر کے اس کی جگہ محمد ابن فضل کو اپنا جانشین بنا کے بھیج رہا ہے اور اسے آپ کے ساتھ اچھے اور احترام آمیز برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے نیز اسے حکم دیا گیا ہے کہ آپ کے نظریات کا احترام کرے، اور آپ کی مخالفت سے اجتناب کرے کیونکہ خداوندعالم اور امیر المؤمنین کا تقرب ان ہی فرائین پر عمل کرنے کی صورت میں حاصل کیا جاسکتا ہے. آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ہم امیرالمومنین آپ کے ساتھ ملاقات کے خواہشمند ہیں. تاکہ نزدیک سے عرض ادب کر سکیں[۲۴]

عبدالحیی ابن عماد جنبلی امام ھادیؑ کے اوصاف یوں بیان کرتا ہے۔

"ابوالحسنؑ علی ابن محمدؑ ابن رضاؑ ابن موسیؑ ابن جعفر صادقؑ معروف بہ ھادیؑ امام حسینؑ کی اولاد میں سے ایک متقی و عبادت گذار امام تھے"[۲۵]

طبری اسی مناسبت سے فرماتے ہیں.

اور امام ھادیؑ کے چند القاب درج ذیل ہیں۔
نقی، عالم، فقیہ، امین، طیب۔[۳۴]

سعید حاجب کو امام کے گھر کے بارے میں دی جانے والی خفیہ رپورٹوں کی تحقیق کے لئے امام کے گھر کی تلاشی کا حکم دیا گیا ان رپورٹوں میں کہا گیا تھا کہ امام کے گھر میں اموال اور اسلحہ موجود ہے اور حضرت سیاسی سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔

سعید حاجب کہتا ہے میں آدھی رات کو سیڑھی لگا کر حضرت کے گھر میں داخل ہوا تاریکی کی وجہ سے پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کدھر جاؤں اس حالت میں اچانک امام علیؑ ابن محمدؑ نقیؑ نے مجھے آواز دی اور فرمایا۔ سعید ٹھہرو میں چراغ لے آتا ہوں۔ میں جب گھر میں داخل ہوا تو میں نے امامؑ کو اونی لباس پہنے ہوئے دیکھا حضرتؑ کے سر پر اونی ٹوپی تھی اور آپ چٹائی پر روبقبلہ بیٹھے تھے[۳۶]۔

سبط ابن جوزی امام ھادیؑ کے متوکل کی طرف سے طلب کئے جانے کو یوں بیان کرتا ہے (جب متوکل کو امام کے گھر میں اموال و اسلحہ کی موجودگی کی خبر ملی تو اس نے یحیی ابن ہرثمہ کو امام کے گھر کی تلاشی کی ذمہ داری سونپی اور کہا کہ حضرت کو سامراء لے آئے)

یحیی ابن ہرثمہ کہتا ہے میں مدینے پہنچا اور علی ابن محمد (امام علی نقیؑ) کے گھر میں داخل ہوا، اہل خانہ کی خوف سے چیخیں بلند ہو گئیں، چونکہ امام ھادیؑ کا لوگوں سے رویہ اور برتاؤ بہت اچھا تھا وہ ہمیشہ مسجد میں عبادت میں مشغول

رہتے تھے اور ان میں حب دنیا نام کی کوئی چیز نہیں تھی لہذا میں نے قسم کھائی کہ ان کی ذات کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا. اس کے بعد میں نے گھر کی تلاشی لی جس میں مجھے سوائے علمی کتب، قرآن اور دعاء کی کتابوں کے کچھ نہ ملا. اس چیز سے امام کی عظمت میری نظروں میں زیادہ ہوگئی، لہذا میں نے سوچا کہ بغداد تک خود حضرتؑ کے پا برکاب جاؤں جہاں تک ہوسکے امامؑ کے ساتھ ہمدردی اور احترام کا برتاؤ کروں. جب ہم بغداد پہنچے تو پہلے ہم بغداد کے والی اسحاق ابن ابراہیم کے پاس گئے اس نے مجھ سے کہا.

اے یحیی یہ رسول اکرمؐ کا بزرگوار بیٹا ہے تمھیں پتا ہے کہ متوکل کیسا آدمی ہے اگر تم نے اسے امام کے خلاف ابھارا تو وہ امام کو قتل کردے گا اس صورت میں قیامت کے دن رسول خداؐ تیرے دشمن ہونگے، یحیی کہتا ہے میں نے اسحاق سے کہا خدا کی قسم میں تو امام ھادیؑ کے ساتھ اچھائی اور ان کی خدمت کرتا رہا ہوں

اس کے بعد ہم سامراء کی طرف چل پڑے پہلے ہم وصیف ترک کے وہاں گئے اور اسے میں نے امام ھادیؑ کے پہنچنے کی خبر دی تو وصیف نے مجھ سے کہا اگر ان کے سر کا ایک بال بھی کم ہوا تو میں تم سے پوچھوں گا، یحیی کہتا ہے مجھے اس کی باتوں اور اسحاق کی باتوں میں مشابہت سے بڑا تعجب ہوا، جب میں متوکل کے پاس گیا تو اس نے مجھ سے امام کی حالت کے بارے میں پوچھا، میں نے جواب دیا، امام ھادیؑ ایک نیک اور خوش اخلاق شخص ہیں میں

نے ان کے گھر کی تلاشی لی لیکن وہاں سے مجھے سوائے قرآن اور دعاؤں کی کتابوں کے کچھ نہ ملا ۔ مدینہ والے امام کے بارے میں فکر مند تھے ۔ اس کے بعد متوکل نے امام کی بہت عزت و تکریم کی اور ان کے آرام اور انھیں راضی کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ۔ اور امام کو اپنے پاس سامراء میں ٹھہرالیا[۲۷] ۔

سامراء میں بھی حکومتی گماشتوں نے امام کے گھر پر چڑھائی کی اور گھر کی تلاشی لی ، سیرت لکھنے والوں نے اس حملے کے وقت امام کی حالت کے بارے میں یوں لکھا ہے ، انھوں نے امام کے گھر پر حملہ کیا لیکن انھیں کوئی مشکوک چیز نہ مل سکی اس وقت امام ایک کمرے میں دروازہ بند کر کے زمین پر بیٹھے خداوندعالم کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول تھے ۔ اور تلاوت قرآن کریم کر رہے تھے ۔

سبط ابن جوزی دوسری جگہ لکھتا ہے ۔

امام کو متوکل کے پاس اس حالت میں لایا گیا کہ جب وہ شراب خوری میں مشغول تھا ۔ متوکل کے ہاتھ میں شراب کا جام تھا اس نے امام سے کہا یہ لیجئے ، تو امام نے فرمایا ، خدا کی قسم آج تک میرا گوشت اور خون شراب سے آلودہ نہیں ہوا مجھے معاف رکھو تو متوکل بھی اپنے اصرار سے رک گیا پھر اس نے امام سے کہا ہمیں کوئی شعر سنائیں امام نے فرمایا ، میں زیادہ شعر نہیں کہتا ہوں ، متوکل نے اصرار کیا تو امام نے مجبوراً درج ذیل چند شعر ارشاد فرمائے ۔

۱. باتوا علی قلل الا جبال تحرسهم غلب الرجال فما اغنتهم القلل

۲. و استنزلوا بعد عزمن معاقلهم واسکنوا حفراً یابئس ما نزلوا

۳. ناداهم صارخ من بعد دفنهم   این الاساور والتیجان والحلل

۴. این الوجوه التی کانت منعمة   من دونهما تضرب الاستار والکلل

۵. فافصح القبر عنهم فیه سائله   تلک الوجوه علیها الدود یقتل

۶. قدطال ما اکلوا دهراً شربوا   فاصبحوا بعد طول الاکل قد اکلوا!

ترجمہ:

۱۔ انھوں نے بلند چوٹیوں پر گھر بنائے اور مسلح مرد ان کی حفاظت کرتے تھے۔ لیکن یہ چوٹیاں ان سے موت کو نہ ٹال سکیں۔

۲۔ اس عزت کے بعد انھیں ان کے قلعوں سے اتار لیا گیا اور انھیں قبر کے گڑھے میں ڈال دیا گیا یہ کیسی بری منزل تھی۔

۳۔ ایک منادی نے قبروں میں ڈالے جانے کے بعد انھیں ندا دی کہاں ہیں وہ کنگن، تاج، اور قیمتی لباس۔

۴۔ کہاں ہیں وہ ناز و نعم کے پروردہ چہرے جن کو پردوں کے پیچھے چھپایا جاتا تھا۔

۵۔ تو قبر نے اس سائل کو جواب دیا۔ یہ وہی چہرے ہیں جن پر کیڑے چل پھر رہے ہیں۔

۶۔ انھوں نے بڑی مدت کھا پی لیا، آج انھیں اس لمبی مدت تک کھانے کے بعد کھایا جا رہا ہے۔

یہ اشعار سننے کے بعد متوکل اتنا رویا کہ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا

امام ھادیؑ کی سیاسی جدوجہد!

تمام آئمہ اطہارؑ کی سیاسی زندگی کچھ ثابت اور مشترک اصول رکھتی تھی اور تمام ائمہ انہی اصول کی پیروی کرتے تھے، لیکن ہر دور میں اس زمانے کے حالات کی مناسبت سے ائمہؑ کچھ ایسے اصولوں پر چلتے تھے جو عموماً اصل امامت سے مربوط اس زمانے کی سیاسی حالات کا تقاضا ہوتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے خلافت کے سلسلہ میں مسلحانہ اور براہ راست مخالفین سے ٹکر لی لیکن امام زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے زمانے میں حالات تبدیل ہو چکے تھے لہذا ان بزرگوں نے وسیع تر علمی و ثقافتی کوششیں کیں اور عقائد کا جہاد کیا، اور امام کاظمؑ، اور امام رضاؑ اور امام جوادؑ کے دور میں سیاسی پہلو جہاد کے دوسرے تمام پہلوؤں پر غالب آچکے تھے یہی وجہ ہے کہ سیاسی میدان کی جدوجہد ان بزرگوں کی زندگی کا دوسرا مرحلہ شمار ہوتا ہے۔

اسی بنیاد پر امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت ھارون الرشید کے زندان میں ہوئی

ہے اور ان کے بیٹے امام رضاؑ کو ولی عھد بنا دیا جاتا ہے. امام جوادؑ کی بھی یہی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے والد کی حیثیت کو محفوظ رکھیں لیکن اس سے پہلے ہی امام رضاؑ کو شھید کر دیا جاتا ہے.

امام ھادیؑ اور امام عسکریؑ علمی اور سیاسی جدوجہد کے لحاظ سے دونوں کے حالات برابر تھے ، امام رضاؑ کی ولی عھدی کے بعد جس میں عوام حکومتی پروپیگنڈے کا شکار ہوچکے تھے آئمہ اطہارؑ کے لئے صورت حال یکسر بدل چکی تھی یہی وجہ ہے کہ لوگ ان کے احترام و اکرام کے عنوان سے انھیں "رضاؑ کے بیٹے" کہہ کر پکارتے تھے ،امام ھادیؑ کو اپنی پوری زندگی عباسی حکومت کے شدید سیاسی دباؤ کا سامنا رہا. حضرتؑ کی زندگی عباسی حکومت کی پیدا کردہ پریشانیاں اور تکلیفیں سہتے گذری، حضرت خود دوسرے علویوں اور اولاد زہراءؑ کی مشکلات کے شاہد بھی تھے.

حضرت ھادیؑ کی امامت کا دور معتصم کی حکومت کے آخری دور ، واثق کی حکومت کے پانچ سال سات ماہ اور پھر متوکل کا چودہ سالہ دور حکومت ،اور اس کے بعد متوکل کے بیٹے منتصر کی حکومت کے چھ ماہ ، پھر مستعین کی حکومت کے دو سال نو ماہ میں گذرا اور حضرت کے مستعین کے دور حکومت کے آخر میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی [۳۰].

حضرت ھادیؑ کے دور امامت میں عباسی حکمرانوں اور علویوں کے درمیان بڑی شدید سیاسی چپقلشیں رہیں اور حضرتؑ کو بھی اپنے آباء واجداد کی طرح

حکومتی دباؤ کا سامنا کرنا پڑا۔

امام ھادیؑ جانتے تھے کہ معاشرے کی سیاسی و معاشرتی صورت حال کسی مسلح جھڑپ کی متقاضی نہیں ہے لہذا حضرتؑ نے اس سلسلے میں کس قسم کی کوئی کوشش نہیں کی اس کے باوجود عباسی حکمراں ان سے خوف محسوس کرتے تھے اور انھیں مقتدر سیاسی رہبر کے طور پر دیکھتے تھے۔

اماموں کو لوگوں کی نظروں میں بڑا مقام و رتبہ حاصل تھا۔ ظالم و متکبر عباسی حکمراں جو فساد کی جڑ تھے اور جنھیں معاشرے میں غربت و افلاس کی پروا تک نہ تھی اپنی عیاشیوں میں ڈوبے ہوئے تھے اس کے برخلاف ائمہ کا لوگوں کے ساتھ ارتباط برقرار رہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امام ھادیؑ علوی تحریکوں کی حمایت کرتے تھے اور لوگوں میں سیاسی و نظریاتی سوجھ بوجھ پیدا کرنے والی تحریکوں کی نشوونما میں مدد کرتے تھے، لوگ پروانوں کی طرح شمع امامت کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ امام ھادیؑ نے بھی ظالم عباسی حکمرانوں کے خلاف ایک عمومی قیام کی تیاری اور فکری رہنمائی میں بھرپور کوششیں کیں۔ ایسا قیام کہ جو صحیح اسلامی بنیادوں اور خطوط کی روشنی میں ہو اور جو عادل حکمرانوں کے طریقہ کار کو بیان کرنے اور صحیح اسلامی سیاست کا غماز ہو۔

یہی وجہ ہے کہ عباسی حکمراں امام ھادیؑ کی لوگوں میں مقبولیت سے خائف تھے اور حضرتؑ کو اپنی نظروں کے سامنے رکھنے کی کوشش کرتے تھے ان کے جاسوس ہمیشہ امام کی حرکات و سکنات پر نظر رکھتے تھے اور امام اور لوگوں کے

درمیان شگاف ایجاد کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے تاکہ اس طرح سے امام کے اثرات کو لوگوں کے اذہان و افکار سے دور رکھ سکیں. ائمہ کا واضح و روشن طریقہ ان لوگوں کی وحشت کا موجب تھا اور یہی چیز سبب تھی کہ وہ اس طریقہ کار کے اثرات کو ختم کرنے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے.

تاریخ نے امام ھادیؑ کے ہم عصر عباسی حکمرانوں کا حضرت کے ساتھ برتاؤ وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اس دور کی علوی تحریکیں بھی تاریخ کی آنکھوں سے اوجھل نہیں رہ سکیں. پوری اسلامی تاریخ میں ہمیشہ اولاد علیؑ و فاطمہؑ ہی تمام اصلاحی تحریکوں اور قیاموں کی محور رہی ہیں. وہ تحریک جس کی ابتدا آزادی کے علمبردار سید الشھدا امام حسینؑ کے قیام سے ہوئی اور جاری ہے اور وہی تحریک تمام انقلابی مبارز افراد کی رہنما ہے.

جن لوگوں نے امام ھادیؑ کے حالات زندگی کا مطالعہ کیا ہے ان سے یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہ سکتی کہ حضرتؑ نے اپنے والد کی وفات اور فریضہ امامت کے قبول کرنے سے لے کر اپنی وفات تک سیاسی و نظریاتی جہاد ،استقامت اور جرات سے بھرپور زندگی گذاری، حضرتؑ کی زندگی کا دور ایسے حکمرانوں کا دور تھا جو حضرت ابو طالب کی اولاد بالخصوص حضرت فاطمہؑ و علیؑ کی اولاد کے سخت ترین دشمن تھے وہ ایسے لوگ تھے جنھوں نے اس مقدس نسل کے ختم کرنے کے لئے کسی بھی قسم کی کوشش سے دریغ نہیں کیا.

عباسی حکومت باخصوص متوکل کی حکومت کی طرف سے اولاد علیؑ پر ناقابل

برداشت مظالم کو تمام مؤرخین اور سیرت نگاروں نے لکھا ہے۔

امام ھادیؑ کی سیاسی زندگی کا آغاز محمد ابن ھارون رشید معتصم عباسی کی حکومت کے آخری دور میں ہوا۔ معتصم ۲۱۸ ھجری میں تخت نشین ہوا۔ اور ۲۲۷ ھجری میں اس نے وفات پائی، امام ھادیؑ اپنے اولد بزرگوار کی ۲۲۵ ھجری میں وفات کے بعد بارہ سال کی عمر میں منصب امامت پر فائز ہوئے۔ اگرچہ معتصم کی خلافت کے دور میں علویوں پر زیادہ سختی نہیں ہوتی تھی لیکن معتصم ائمہ اطہارؑ سے جو خطرہ محسوس کرتا تھا، اس کی وجہ سے اس نے ۲۲۵ ھجری میں امام ھادیؑ کو مدینہ سے بغداد بلا لیا تاکہ حضرت کو اپنی نظر کے سامنے رکھ سکے۔ اور حضرت کو مجبور کیا کہ بغداد میں سکونت اختیار کر لیں۔ امام محمد تقیؑ کی شہادت اسی سال بغداد میں ہوئی جو کہ مؤرخین کے نزدیک معتصم کے زہر دینے سے واقع ہوئی[۳۱]۔

معتصم نے ۲۲۱ ھجری میں بغداد سے ۱۲۰ کلومیٹر دور سامراء کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ اس طرح اس نے اپنی سیاسی اور فوجی طاقت کو ایک جگہ پر اکٹھا کر لیا (اسی وجہ سے سامراء کو عسکر یعنی چھاؤنی کہا جاتا ہے) اور امام ھادیؑ و امام حسنؑ بھی اس شہر میں سکونت کی وجہ سے عسکریین کے لقب سے مشہور ہوئے۔

عباسی حکومت اس دور میں سیاسی و انتظامی کمزوریوں سے دو چار ہو چکی تھی، ترکی غلام تمام عہدوں پر قابض تھے عباسی دربار اور بادشاہ وزیروں کے ذریعے چلتے تھے اور خلفاء میں سے کوئی بھی مقتدر نہیں رہ گیا تھا۔

مؤرخین نے اس سیاسی انحطاط کے کچھ اثرات کی طرف اشارہ کیا ہے.

ابن اثیر سامراء شہر کی تعمیر کا سبب بیان کرتے ہوئے کہتا ہے، جب معتصم نے حکومتی عہدوں پر ترکی غلاموں کی تعداد بڑھالی تو اس نے ان کے رہنے کے لئے جدا ایک شہر آباد کرنے کی ٹھانی کیونکہ ہمیشہ ان کے قتل و غارت کی خبریں آتی رہتی تھیں. ترکی غلام بڑے تند خو اور سخت طبیعت لوگ تھے وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر بغداد شہر کی سڑکوں پر دندناتے رہتے اور بڑی تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتے تھے. ترکتازی اسی سے مشہور ہوئی اور جو عورتیں، مرد یا بچے ان کے راستے میں آتے وہ انھیں اذیت پہنچاتے تھے اس حالت پر لوگوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی لہذا لوگ انھیں پکڑ لیتے گھوڑے سے کھینچ کر ان کی پٹائی کرتے کہ جس میں کبھی بعض مارے بھی جاتے جس کی وجہ سے لوگوں پر سختی کی جاتی اور انھیں پکڑ کر بڑی تکلیفیں دی جائیں (۴۲).

دوسری جگہ پر ابن اثیر حالات کی افراتفری اور ترکی غلاموں کی خرمستیوں کو یوں بیان کرتا ہے.

ایک عید کے موقع پر معتصم گھوڑے پر سوار جا رہا تھا تو ایک بوڑھے نے آگے بڑھ کر کہا اے ابو اسحاق! نگہبانوں نے اس کو ہٹانے کی کوشش کی لیکن معتصم نے انھیں روک دیا اور اس بوڑھے سے پوچھا کیا ہوا ہے؟ تو بوڑھے نے کہا. خداوند تجھے پڑوسی ہونے پر اچھی جزا نہ دے تو ہمارا پڑوسی بنا اور ان بے دین غلاموں کو بھی ساتھ لے آیا تم ہمارے گھروں میں آٹھہرے اور ہمارے

بچوں کو یتیم، ہماری عورتوں کو بیوہ اور ہمارے مردوں کو قتل کر دیا، معتصم نے یہ ساری باتیں سنیں اور اپنے گھر لوٹ آیا اس دن تک کسی نے اسے سوار نہیں دیکھا تھا۔ اس کے بعد وہ پیدل باہر آیا اور لوگوں کو نماز عید پڑھائی لیکن لوٹ کر بغداد نہ آیا بلکہ سیدھا "قاطول" کے علاقے کی طرف چلا گیا (۴۳)۔

ابن اثیر خلافت کی کمزوری اور حکومتی امور پر فوجیوں اور وزیروں کے تسلط کے بارے میں لکھتا ہے "جب اس کی (معتصم کی) بیعت ہوئی تو فوجیوں نے شورش برپا کردی اور عباس ابن مامون کی حمایت کرنے لگے (۴۴)

معتصم کے دور میں خلافت اس کے پاس برائے نام رہ گئی تھی در حقیقت سب کچھ فضل کے ہاتھ میں تھا وہی تمام دفتری اور مالی معاملات پر مسلط تھا حکومتی اثاثے اسی کے اختیار میں تھے معتصم نے اسے حکم دیا کہ گویوں اور ندیموں کی تنخواہیں ادا کرے لیکن فضل نے انکار کر دیا اور یہی چیز معتصم کے لئے بہت گراں ثابت ہوئی (۴۵)۔

معتصم اور درباری مسخرے ابراہیم ہنفی کے درمیان ہونے والی گفتگو اس مطلب پر بہترین شاہد ہے مسخرا معتصم کو اپنے انعام کے فضل کی طرف سے نہ ملنے کا واقعہ سناتا ہے اور پھر مزاح میں کہتا ہے، خدا کی قسم تجھے خلافت صرف نام کی حاصل ہے، تیرا فرمان کانوں سے آگے نہیں بڑھتا اصلی خلیفہ تو فضل ہے (۴۶)۔

جب کہ حکمران سیاسی کمزوری، دفتری بے ضابطگیوں اور فساد میں مبتلا ہو چکے تھے۔ ائمہ معصومینؑ نے لوگوں کو بیدار کرنے اور انھیں اصلی اسلامی فکر اور سیاسی راہ و روش سے آگاہ کرنے پر کمر ہمت باندھی، جب علوی انقلابی شدت وجوانمردی کے ساتھ حکومت کے خلاف قیام کررہے تھے۔

تو اس کا سیاسی دباؤ اور دھمکیاں ائمہ معصومینؑ کو برداشت کرنی پڑ رہی تھیں اور انھیں نظر بند رکھا جاتا تھا، جب ہر قید و بند سے آزاد ترک اپنی من مانیاں کر رہے تھے اور خلیفہ کے حواری ہی حکومت کے سب کچھ تھے اور حکومتی خزانہ علاقائی حاکموں، درباری گویوں اور مسخروں اور شرابی ندیموں پر خرچ ہو رہا تھا۔

تو ایک انقلابی یعنی محمد ابن قاسم ابن علی ابن عمر ابن علی ابن علی ابن الحسین ابن علی ابن ابی طالب نے ۲۱۹ ہجری میں معتصم کے خلاف قیام کا اعلان کر دیا۔ اس نے اپنے قیام کو طالقان سے شروع کیا اور لوگوں کو امام رضاؑ کی پیروی کی طرف بلایا۔ محمد بن قاسم ایک عالم، فقیہ، خوش مشرب اور پارسا آدمی تھے لوگ انھیں صوفی کہتے تھے کیونکہ وہ اکثر کھدر کا سفید لباس پہنتے تھے۔ اس انقلابی مسلمان کو معتصم کی طرف سے سخت جنگوں کے بعد شکست کا سامنا کرنا پڑا، اور مجبوراً نیشاپور کی طرف پیچھے ہٹنا پڑا وہ وہاں چھپنے پر مجبور ہو گئے لیکن کچھ مدت کے بعد انھیں گرفتار کر لیا گیا۔ اور عید نوروز کے دن انھیں دست بستہ معتصم کے سامنے پیش کیا گیا۔

معتصم شراب نوشی میں مشغول تھا اور بازی گر اس کے سامنے کرتب دکھا رہے تھے، معتصم نے حکم دیا کہ اسے "بیر" کی جیل میں ڈال دیا جائے جب قیدی کی حالت انتہائی خراب ہوگئی تو اسے اس ہولناک جیل سے نکال کر باغ موسیٰ کے برج پر قید کر دینے کا حکم دیا گیا۔ اسی اثناء میں محمد ابن قاسم قید سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے اور کچھ مدت تک چھپے رہے۔ متوکل کے دور میں انھیں دوبارہ گرفتار کر لیا گیا، اور متوکل کے سامنے حاضر کیا گیا۔ لیکن وہ متوکل کے سامنے وفات پاگئے بعض نے کہا ہے کہ ان کی وفات زہر کی وجہ سے ہوئی اور بعض دوسرے قائل ہیں کہ انھیں متوکل کی جیل میں رکھا گیا تھا اور وہاں زہر سے ان کی شہادت ہوئی (۳۷)۔

ایک اور علوی بنام عبداللہ ابن حسین ابن عبداللہ ابن اسماعیل ابن عبداللہ ابن جعفر ابن ابی طالب کو معتصم کے حکم سے گرفتار کر لیا گیا ان کا گناہ یہ تھا کہ انھوں نے سیاہ لباس کیوں نہیں پہنا اسی جرم میں انھیں قید کر دیا گیا اور وہ آخر عمر تک قید رہے۔

امام ہادیؑ اس مشکل دور میں اپنے والد گرامی کے زیر سایہ زندگی گذار رہے تھے اور دو سال بعد جب ان کےوالد کی شہادت ہوئی تو انھیں اپنے دور امامت میں بھی انہی حالات کا سامنا تھا۔

معتصم نے امام جوادؑ کو بغداد میں اپنی آنکھوں کے سامنے رکھا تھا اور حضرتؑ وفات تک وہیں رہے۔ امام ھادیؑ اس وقت مدینہ میں تشریف فرما تھے اور علویوں

کی دلخراش حالت اور معتصم کی اہل بیتؑ کے ساتھ سخت رویے کو دیکھ رہے تھے معتصم کا یہ نامناسب رویہ نہ صرف اہل بیتؑ کےساتھ تھا بلکہ دوسرے مذاہب کے علماء کے ساتھ بھی یہی رویہ تھا. یعقوبی نے لکھا ہے ایک دن معتصم نےامام احمد ابن حنبل کو طلب کیا تاکہ قرآن کے مخلوق ہونے کے بارے میں انکا نظریہ جان سکے. ان کا نظریہ سن کر انھیں کوڑوں سے پیٹا گیا، احمد بن حنبل سے پہلے عبدالرحمان اسحاق کو آزمایا جاچکا تھا. انہوں نے تو مان لیاکہ قرآن مخلوق ہے معتصم نےکچھ لوگوں کواس پرگواہ بناکرانھیں گھرجانے دیا[۳۸].

ابن اثیر لکھتا ہے کہ معتصم نے احمد ابن حنبل کو اتنے کوڑے مروائے کہ احمد دیوانگی میں مبتلا ہوگئے ان کے بدن کی جلد پھٹ گئی اس کے بعد انھیں زنجروں میں جکڑکر زندان میں ڈال دیاگیا[۳۹].

معتصم اپنے سے پہلے والے خلفاء کی طرح بے راہرو اور لہوولعب میں مصروف رہنے والا شخص تھا. جسے لوگوں کی جان و مال کی کوئی پروا نہیں تھی مؤرخین نے اس کے بارے میں یوں لکھا ہے وہ غصے میں خونریزی اور قتل سے پرہیز نہیں کرتا تھا[۴۰] اس بے راہروی کے ساتھ ساتھ وہ گانے والیوں کا بہت زیادہ شوقین تھا.

طبری لکھتا ہے:

ابوالحسن اسحاق ابن ابراہیم کہتا ہے ایک دن امیرالمومنین معتصم نے مجھے طلب کیا جب میں اس کے پاس گیا تو میں نے دیکھا اس نے سرخ واسکٹ پہن

رکھی ہے اور سنہری پیٹی باندھے ہوئے ہے اور اس کا جوتا سرخ رنگ کا ہے،
معتصم نے مجھ سے کہا کیا جوگان کھیلنا چاہتے ہو آج ہمارے لئے مان جاؤ میں چاہتا
ہوں میرے جیسے کپڑے پہنو میں نے معذرت کی لیکن اس نے قبول نہ کی،
مجبوراً میں نے اس جیسا لباس پہنا اس کے بعد ایک سجا ہوا گھوڑا اس کے لئے لایا
گیا اور یوں ہم چوگان کے میدان میں پہنچے کھیل کے کچھ دیر بعد معتصم نے مجھ
سے کہا کچھ چپ چپ نظر آرہے ہو کیا لباس سے الجھن میں ہو، میں نے کہا ہاں
امیرالمومنین ایسا ہی ہے[۳۱]۔

معتصم کے درباری گویے اسحاق ابن ابراہیم موصلی کا بیان ہے (ایک دن
میں امیرالمومنین معتصم کی خدمت میں پہنچا "قینہ" (ایک گانے والی عورت)
معتصم کے پاس موجود تھی معتصم کو اس عورت سے بہت زیادہ محبت تھی۔ وہ
اس سے گانا سن رہا تھا میں بھی سلام کر کے بیٹھ گیا۔ معتصم نے قینہ سے کہا گاتی
رہو پھر میری طرف منہ کیا اور پوچھا اسحاق بتاؤ کیسا گا رہی ہے تو میں نے کہا اے
امیرالمومنین وہ بڑی عقلمندی سے دلوں کو موہ لیتی ہے اور آرام سے لوگوں کو
دیوانہ بنا دیتی ہے وہ دوسری عورتوں سے کہیں اچھا، اور دلنشین گاتی ہے اس
کے گلے کے تاروں میں گویا سونے کے ٹکڑے رکھے ہوں، وہ بہترین موتیوں کے
مانند ہے جو گردنوں میں پہنے جاتے ہیں۔ معتصم نے میری بات کاٹ دی اور کہا
تیری تعریفیں اس کی آواز اور خود اس سے اچھی ہیں اس کے بعد اپنے بیٹے سے کہا
،ہارون یہ باتیں غور سے سنو)[۳۲]۔

معتصم کے بعد اس کا بیٹا واثق باللہ کا کہ جس اصلی نام ھارون تھا، ۲۲۷ ھجری کے ربیع الاول میں تخت خلافت پر بیٹھا، معتصم کی طرح واثق بھی ملک کے سیاسی حالات سنبھالنے اور ملک چلانے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔

لیکن مؤرخین نے لکھا ہے کہ واثق باللہ حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے خاندان کی نسبت نرم رویہ رکھتا تھا۔ اور اس کے دور میں علویوں میں کوئی بھی قتل نہیں کیا گیا[۴۴]۔ مزید یہ کہ جب واثق مکہ اور مدینہ والوں کو بخشیشیں دیتا تو علویوں اور غیر علویوں میں فرق نہیں رکھتا تھا۔ اس کے پانچ سال نو مہینے کے دور حکومت میں علویوں نے راحت کی سانس لی اس کے دور میں ان کے مصائب میں کمی آئی۔

اسی دور میں امام ھادیؑ مدینہ میں علم، عبادت اور لوگوں کی رہنمائی میں مصروف تھے اور یہ حضرتؑ کی جوانی کا دور تھا۔ ان کی شخصیت کا ستارہ اپنے عروج پر چمک رہا تھا۔ اور لوگوں کے دل ان کی طرف کھنچے جا رہے تھے خصوصاً ان علاقوں میں جن میں محبان اہلبیتؑ کی کثرت تھی یہ صورت حال زیادہ بہتر تھی۔

یہی وہ زمانہ تھا کہ جب عباسی حکومت افسروں اور خلیفہ کے ترک حواریوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی تھی اور ملکی خزانہ نظام مالیات کے افراد کے ذریعے لوٹا جا رہا تھا۔ اور خلیفہ کے محل عورت مرد گویوں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔

عباسی دور کا مشہور اور حکومتی مؤرخ یعقوبی اس بارے میں کہتا ہے۔

مغربی علاقوں کا پہلا گورنر واثق نے "اشناس ترک" کو بنایا تھا اس نے

خراسان کا گورنر اشباخ ترک کو اور دجلہ کی ذمہ داری " سندوکور" کو سونپی (۲۲)

طبری دفتری بے ضابطگیوں اور خزانے کی لوٹ مار کے بارے میں لکھتا ہے۔

اس افراتفری کا ایک نمونہ ہے مصنفوں کو مجبور کرنا وہ حکومت کو لکھنے کا ٹیکس دیں (واثق نے احمد ابن اسرائیل کو اپنی خاص فوج کے افسر یحیی ابن معاذ کے حوالے کیا اور اسے حکم دیا کہ ہر روز اسے دس کوڑے مارا کرو، کہا جاتا ہے کہ اسحاق ابن یحیی نے احمد کو قید میں ہزار کوڑے مارے اور وہ مجبوراً اسّی ہزار دینار دینے پر راضی ہوگیا۔

اسی طرح " ابتاخ" کے کاتب نے سلیماں ابن وہب سے چار دینار، حسن ابن وہب سے چودہ ہزار دینار، احمد ابن خصیب اور اس کے کاتب سے دس لاکھ دینار ابراہیم ابن رباح اور اس کے کاتبوں سے ایک لاکھ دینار، نجاح سے ساٹھ ہزار دینار، اور عباسی وزیر ابی سے مصالحہ کر کے ایک لاکھ چالیس ہزار دینار وصول کئے گئے یہ سب اس رقم کے علاوہ ہے جو کارندوں سے تنخواہیں میں دینے کی مزدوں کے طور پر لی گئی تھی۔

طبری نے واثق کے محل کے بارے میں جب اس میں معتصم کے موت کے بعد پہلا اجتماع ہوا یوں لکھا ہے۔ وہ کنیزوں، خوبصورت عورتوں اور گویوں سے بھرا ہوا تھا۔ پہلے "ابراہیم ابن مھدی" کی "کنیز شاریہ" نے گانا گایا اس کے بعد دوسرے گویے اپنا اپنا ھنر جگانے لگے۔ اس کے بعد درباری شاعر"

علی ابن مھم" نے شعر پڑھے پھر "صالح ابن عبدالوھاب" کی کنیز "قلم" نے محمد ابن کناسہ کے کچھ شعر گائے واثق نے اس کی آواز پسند کی اور حکم دیا کہ صالح کو کنیز کے ساتھ حاضر کیا جائے آیا تو وہ کنیز اس سے مانگ لی[۴۵]۔

یہ اس دور میں عباسی حکومت کی ظاہری حالت تھی اور آشوب، جنگیں، لوگوں کا قتل عام اور علاقائی حکمرانوں کی من مانیاں اس کے علاوہ تھیں۔

امام ھادیؑ اور متوکل عباسی!

۲۳۲ ہجری میں واثق کی موت کے بعد جعفر ابن معتصم متوکل تخت نشین ہوا یہ شخص حضرت علی علیہ السلام اور ان کے خاندان کا شدید دشمن تھا اسی وجہ سے طالبیوں بالخصوص علیؑ و فاطمہؑ کی اولاد نے اس کے دور میں بہت تکلیفیں برداشت کیں ۔ متوکل بنی ھاشم کے ساتھ انتہائی وحشیانہ اور غیر انسانی سلوک کرتا تھا ۔ اور انھیں سخت تنگی میں رکھتا تھا وہ نہ صرف مالی طور پر ان کی مدد نہیں کرتا تھا بلکہ دوسروں کو بھی یہ کام نہیں کرنے دیتا تھا ۔ آل علیؑ کی دشمنی اسے اپنے بڑوں سے ورثے میں ملی تھی ۔

اس کی اولاد علیؑ سے دشمنی کے چند نمونے درج ذیل ہیں ۔

۱۔ حضرت علیؑ سے دشمنی کا اظہار کرنا حضرت کی اجتماعی و سماجی حیثیت کو مخدوش کرنا انیزان کی تحقیر کرنا ۔

۲۔ امام حسینؑ کی ضریح مقدس کو گرانا اور زائروں کو تکلیفیں دینا ۔

۳۔ علویوں کا اقتصادی بائیکاٹ اور بیت المال سے ان کے وظیفے روک لینا ۔

اور لوگوں کو بھی ان کی مدد سے روکنا تاکہ وہ بھوکے مریں.

۴۔ امام ھادیؑ کو سخت دباؤ میں رکھنا انھیں مدینہ سے سامراء منتقل کرنا اور انھیں نظروں کے سامنے رکھ کر سیاسی طور پر مفلوج کرنا.

۵۔ امام بر حق کے مقابلے میں دوسروں کو لانا امام ھادیؑ کے بھائی موسی مبرقع کو اس کام کیلئے آمادہ کرنا اور اس سازش کا شکست سے دوچار ہونا

۶۔ امامؑ کے قتل کی سازش.

۷۔ علوی انقلابیوں کا قتل اور انھیں آزار و اذیتیں دینا جب علوی، حاکم کے ظلم و ستم سے تنگ آچکے تو انہوں نے مسلحانہ قیام کی راہ اپنائی.

یہاں ہم ان حقائق میں سے بعض کی تفصیلات تاریخی دلیلوں کے ساتھ ذکر کرتے ہیں.

ابن اثیر متوکل کی حضرت علیؑ کے ساتھ دشمنی کے بارے میں لکھتا ہے

حضرت علیؑ اور ان کے خاندان کے بارے میں متوکل کے دل میں گہرا بغض و کینہ پایا جاتا تھا. اگر اسے پتہ چل جاتا کہ فلاں شخص حضرت علیؑ سے محبت رکھتا ہے تو اس کی جان و مال کو مباح کر دیتا. اس کے ندیموں میں سے ایک ”عبادہ مخنث“ تھا وہ متوکل کے دربار میں ایک تکیہ پیٹ پر باندھ لیتا، اپنے گنجے سر کو ننگا کر لیتا اور متوکل کے سامنے ناچنے لگتا، گاتے ہوئے یہ جملہ کہتا (یہ گنجا بڑے پیٹ والا آیا ہے تاکہ مسلمانوں کا خلیفہ بنے) اس کی مراد حضرت علیؑ ہوتے تھے. متوکل شراب پیتے ہوئے اس حرکت سے خوش ہوتا تھا. (ایک دن

جب عبادہ یہی حرکت کر رہا تھا تو منتصر (متوکل کا بیٹا) بھی محفل میں موجود تھا اس نے یہ منظر دیکھ کر اشاروں سے عبادہ کو دھمکی دی۔ عبادہ ڈر کر چپ ہوگیا۔ متوکل نے پوچھا کیا ہوا تو عبادہ نے کھڑے ہو کر وجہ بیان کر دی۔ اس صورت حال کو دیکھ کر منتصر کھڑا ہوگیا اور کہا اے امیر المومنین یہ کتا (عبادہ) جس کی نقلیں اتار رہا ہے اور لوگوں کو ہنسا رہا ہے وہ تمہارا چچا زاد بھائی اور تمہارے لئے مایہ افتخار ہے اگر خود تم اس کا گوشت کھانا چاہتے ہو تو کھاؤ (یہ اشارہ ہے قرآنی آیت کی طرف کہ غیبت کرنا مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مرادف ہے)

لیکن اس جیسے کتوں کو اجازت نہ دو کہ اس کا گوشت کھائیں۔

متوکل نے تمسخر کے ساتھ گویوں کو کہا یہ شعر مل کر پڑھو۔

" غار الفتی لابن عمہ رأس الفتی فی حِرامہ "

یہ جوان اپنے چچا زاد بھائی کے لئے غیرت کھا رہا ہے اس جوان کا سر اس کی ماں کے دامن میں ہے۔

(یہ کلمہ " فی حِرامہ " برا کلمہ ہے اور عورت کو طلاق دینے کے لئے استعمال ہوتا ہے)

متوکل کا یہ سلوک ان اسباب میں سے ایک تھا جو منتصر کے ہاتھوں متوکل کے قتل کا باعث بنا (کہا جاتا ہے کہ یہ جو متوکل سے پہلے والے خلفاء مانند مامون، معتصم اور واثق کسی حد تک حضرت علیؑ اور ان کے خاندان سے لگاؤ رکھتے تھے اس کا متوکل کو بہت غصہ تھا۔ متوکل کے حلقہ احباب میں ہمیشہ ایسے لوگ

داخل تھے جو آل علیؑ کے ساتھ دشمنی میں مشہور تھے ان میں سے علی ابن جہم جو قبیلہ بنی شامہ ابن لوی کا معروف شاعر تھا، عمر ابن مزج رجی، ابو سمط ابن مردان ابن ابی حفصہ (یہ مروان بنی امیہ کا غلام تھا) عبد اللہ ابن محمد ابن داؤد ھاشمی مشہور بہ ابن ترجہ تھے. یہ لوگ متوکل کو علویوں سے ڈراتے اور پھر اسے ان کے ساتھ ظلم و زیادتی اور اترجہ پر اکساتے، متوکل ان لوگوں کے اکسانے پر آل علیؑ کے ساتھ جنگ و جدال پر تیار ہوگیا اور وہ اس کام میں اتنا آگے نکل گیا کہ اس کی خوبیاں بھی اس کے اس ناپسندیدہ کام کا شکار ہوگئیں[۴۰]

اس کی یہی دشمنی موجب بنی کہ اس نے مشہور نحوی عالم یعقوب ابن اسحاق مشہور بہ ابن سکیت کو گرفتار کر کے ترکی غلاموں کے حوالے کر دیا کہ وہ اس کا پیٹ پھاڑ ڈالیں اس واقعہ کے بعد ابن سکیت اپنے گھر منتقل کر دیا گیا جہاں وہ وفات پاگیا. اس کا واقعہ یہ ہے کہ ابن سکیت متوکل کے دو بیٹوں معتز و مؤید کا اتالیق تھا ایک روز متوکل نے ابن سکیت سے پوچھا: میرے دونوں بیٹے افضل ہیں یا حسنؑ و حسینؑ. ابن سکیت نے اس کے بیٹوں کے عیوب ذکر کرنے کے بعد امام حسنؑ و امام حسینؑ کے فضائل بیان کرنا شروع کیئے[۴۱] یہی چیز متوکل کے غیظ و غضب کا موجب بن گئی اور اس ظالم کے ہاتھ اس جلیل القدر عالم کے خون سے رنگین ہوگئے.

تاریخ میں آیا ہے کہ متوکل نے امام حسینؑ کی ضریح مقدس کو گرا کر وہاں ہل چلادینے کا حکم دیا تاکہ ان مزاروں کے آثار بھی مٹ جائیں. کیونکہ امام حسینؑ جو

حضرت فاطمہؑ و علیؑ کے بیٹے تھے ہر دور کے لئے انقلاب کا معیار تھے اور فی سبیل اللہ جہاد اور ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا مظہر تھے تمام انقلابی ان سے سبق لیتے تھے اور ان کا مزار لوگوں کے لئے محبت اہلبیتؑ کا زندہ جاوید نمونہ تھا۔

متوکل کو خوف محسوس ہوا کہ اگر یہ سمبل باقی رہ جائے گا تو لوگوں کے دلوں میں ولاء اہلبیتؑ کو تقویت دے گا اور اہلبیتؑ کے چاہنے والوں کے جمع ہونے کا مرکز بن جائے گا۔ یہ اس کی زندگی کے لئے گویا بہت بڑا خطرہ تھا متوکل نے اس ضریح مقدس کو اور اس کے اطراف کے گھروں کو بھی گرانے کا حکم دے دیا۔ ضریح اور دوسرے مکانات گرا دیئے گئے اور وہاں کھیتی شروع کر دی گئی۔ اور جو وہاں زیارت کی غرض سے آتا یا ان قبروں کے نزدیک بھی جاتا اسے سزا دی جاتی اور جرمانہ کیا جاتا تھا۔

حضرت علیؑ کے مزار کی زیارت پر بھی یہی سزا رکھی گئی تھی۔

ابن اثیر لکھتا ہے۔

اس سال (۲۳۶ ہجری) متوکل نے امام حسینؑ کی قبر اور اس کے اطراف والے مکانوں کے گرا دینے کا حکم دیا تاکہ وہاں کھیتی کی جائے اور قبر پر پانی چھوڑ دیا جائے لوگوں کو قبر کے قریب جانے سے روک دیا گیا۔ متوکل کی پولیس کے افسر نے اعلان کیا کہ لوگ تین دن کے اندر اندر یہ علاقہ خالی کر دیں ورنہ جو بھی یہاں مل گیا اسے زمین دوز قید خانوں میں بند کر دیا جائے گا۔ لوگ ڈر کر بھاگ نکلے اور زیارت چھوڑ دی گئی جب لوگ چلے گئے تو مزار گرا کر وہاں

کھیتی شروع کر دی گئی(۴۸)۔

ابو الفرج اصفہانی متوکل کے دور میں ال ابی طالب کے مصائب و آلام کو یوں بیان کرتا ہے۔ حضرت ابو طالب کے اہل خاندان واثق کے دور میں سامراء میں رہتے تھے۔ اور اچھی زندگی گذار رہے تھے لیکن متوکل کے بر سر اقتدار آتے ہی وہ لوگ سامراء سے تتر بتر ہو گئے(۴۹)۔

اس کے بعد لکھتا ہے۔

متوکل کا رویہ بنی ھاشم سے انتہائی ناروا اور سخت تھا وہ ان کے بارے میں بدگمانی کا شکار تھا اور ہمیشہ ان پر طرح طرح کے الزام لگایا کرتا تھا۔ اتفاقاً متوکل کا وزیر عبد اللہ ابن یحیی ابن خاقان متوکل کے سامنے ہمیشہ بنی ھاشم کی چغلیاں کیا کرتا تھا۔ اور اسے ان کے ساتھ برے سلوک پر اکساتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ متوکل علوی خاندان کی دشمنی و عداوت میں تمام دوسرے عباسی خلفاء سے آگے نکل گیا تھا۔

اس کی سیاہ کاریوں میں سے ایک سید الشہداء کے حرم مطہر کی بے حرمتی و تخریب اور حرم تک جانے والے تمام راستوں پر فوجی گماشتوں کی تعیناتی تھی۔ تاکہ اگر کوئی زیارت کے لئے آئے تو پکڑا جائے جسے متوکل قتل کرادیا کرتا یا سخت سزائیں دیا کرتا تھا(۵۰)۔

اس کے بعد ابو الفرج امام حسینؑ کے حرم کی بے حرمتی کا افسوس ناک واقعہ نقل کرتا ہے وہ لکھتا ہے۔

متوکل نے اپنے ایک قریبی ساتھی جس کے بارے میں لوگوں میں مشہور تھا کہ وہ یہودی ہے اور ابھی نیا مسلمان ہوا تھا اس کو "دیزہ" بھیجا، (دمیزہ امام حسینؑ کی شہادت کا مقام ہے) اور اسے حکم دیا کہ نواسۂ رسولؐ کے حرم کو ویران کر دے اور اس کے اردگرد کے مکانات بھی گرادیئے جائیں. اس شخص نے وہاں پہنچ کر ضریح اور دو سو جریب تک اس کے اطراف کے مکانات گرادیئے.

اس کے بعد ابوالفرج علویوں کے مصائب و آلام، اذیتوں اور ان مشقتوں اور بے حرمتیوں کا ذکر کرتا ہے جو انھیں متوکل کی طرف سے سہنا پڑئی تھیں. وہ لکھتا ہے.

متوکل نے عمر ابن فرج کو مکہ و مدینہ کی گورنری دی، عمر لوگوں کو علویوں کی مدد کرنے سے روکتا تھا اگر اسے پتہ چل جاتا کہ کسی نے علویوں کی معمولی سی مدد بھی کی ہے تو اسے سخت سزائیں دیتا اور سخت جرمانہ کرتا یہی حالت جاری رہی یہاں تک کہ علوی شدید تنگدستی کا شکار ہوگئے اس حد تک کہ کبھی تو چند علوی عورتوں کے پاس نماز اداء کرنے کے لئے صرف ایک کپڑا ہوتا اور انھیں مجبوراً اپنے خیموں میں برہنہ بیٹھنا پڑتا ایک عورت نماز پڑھتی پھر وہ کپڑا دوسرے کو دیتی تاکہ وہ اس میں نماز پڑھ لے لیکن متوکل کے قتل کے بعد حالات بدل گئے منتصر نے علویوں کے ساتھ اچھا رویہ رکھا اور ان کی مالی مدد بھی کی منتصر ہر لحاظ سے اپنے باپ کے برعکس عمل کرتا تھا. اس طریقے سے اس نے اپنے باپ کی سیاہ کاریوں سے نفرت اور بیزاری ظاہر کر دی [۵۱].

یہ ہے خاندان علیؑ کی غمناک سرگذشت جو حضرت ھادیؑ کے دور میں ان پر گذری اس جیسے اندوھناک واقعات کی تکلیفیں حضرت ھادیؑ اپنے دل میں محسوس کرتے اور صبر کا کڑوا گھونٹ پی کر جاتے تھے.

جیسا کہ گذر چکا ہے متوکل کو پتہ چل چکا تھا کہ علوی ہی تنہا عباسی حکومت کی مخالف قوت ہیں. اور اسے علویوں کی اسلامی معاشرے میں قدر منزلت سے تخت خوف و ہراس تھا. اسی لئے متوکل ہمیشہ کوشش کرتا کہ معاشرے میں ان کی قدر منزلت کو کم کیا جائے. ان کی نشانیاں مٹائی جائیں اور مسلمانوں کو ان سے دور کرد دیا جائے. وہ اسی پر بس نہ کرتا بلکہ اگر اسے پتہ چل جاتا کہ کسی کے علویوں کے ساتھ تعلقات ہیں اور وہ ان سے محبت کرتا ہے اور لوگوں کو ان کی محبت کی دعوت دیتا ہے تو اس کے قتل اور اموال کی لوٹ سے دریغ نہیں کرتا تھا. یہی وجہ ہے کہ متوکل کے دور میں شیعہ اور محبان اہلبیتؑ کے درمیان سخت خوف و ہراس پیدا ہو چکا تھا. حق و باطل کے درمیان معرکوں میں دائمی سنت یہی رہی ہے اور بر حق رہبروں اور ھدایت کی مشعل اٹھانے والوں اور ظالموں و ستمگروں کے درمیان ہمیشہ یہ معرکے برپا ہوتے رہے ہیں.

مدینہ سے سامراء تک!

امام ھادیؑ متوکل کی طرف سے علویوں کی حق تلفیوں اور اسکے ظلم و ستم سے غافل نہیں تھے حضرت لوگوں سے روابط کو استحکام بخشنے کے لئے کوشاں رہتے تھے . اور اسلام کی تبلیغ اور اس کی وسعت میں مشغول تھے اسی سلسلے میں حضرتؑ نے بہت سے علماء و محدثین کی تربیت کی. اس طرح اہلبیتؑ کی محبت لوگوں کے وجود میں روح بس گئی، اور وہ انھیں یوں حیات و نشاط عطا کرتی تھی جیسے بہار کا جھونکا پودوں کو ترو تازہ کر دیتا ہے.

جب حضرت ھادیؑ کا مدینہ میں موجود رہنا متوکل کی حکومت کے لئے خطرناک ہوگیا اور ارباب اقتدار و حکومت کی پریشانی کا باعث بننا شروع ہوا تو تمام مخالفین نے یک زبان ہوکر سامراء کی طرف خطوط کا سیلاب جاری کر دیا جن میں انہوں نے متوکل پر یہ ظاہر کیا کہ امام ھادیؑ اپنے آپ کو ایک عمومی انقلاب کے لئے تیار کر رہے ہیں جس کے لئے اسلحہ اور مال اکٹھا کیا جا رہا ہے . یہ

رپورٹیں متوکل کو اس حال میں پہنچ رہی تھیں جب کہ اسلامی سرزمینوں سے بھی جگہ جگہ مختلف شورشوں کی اطلاعات موصول ہو رہی تھیں بالآخر متوکل نے ۲۴۳ ہجری میں حضرت ھادیؑ کو مدینہ سے سامراء بلانے کا فیصلہ کر لیا تاکہ حضرتؑ اس کی نظروں کے سامنے رہیں شیخ مفید کے بقول حضرت ھادیؑ دس سال سامراء رہے (۵۲)۔

لوگوں کو پتہ چل گیا کہ حضرت ھادیؑ کی عظیم شخصیت اور لوگوں کے دلوں میں ان کی روز افزون قدر منزلت ہی سبب بنی ہے کہ متوکل حضرتؑ کو سامراء بلوائے، تاریخی شواھد سے اس حقیقت کو بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔

۲۳۸ھ میں عباسی دربار کے طبیب "یزدان" نے جو کچھ اسماعیل ابن احمد قھقلی کاتب سے کہا اس سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے اس نے کہا تھا کہ میں نے سنا ہے خلیفہ نے انھیں (امام ھادیؑ کو) جو سامراء بلوایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کہیں لوگ ان کی طرف مائل نہ ہو جائیں اور یہ چیز بنی عباسی کی حکومت کے خاتمہ کا سبب بن جائے (۵۳)۔

یعقوبی نے یہ واقعہ یوں نقل کیا ہے۔

متوکل نے خط کے ذریعے حضرت علیؑ ابن محمدؑ سے درخواست کی کہ آپ مدینہ سے نکل آئیں۔ پہلے عبداللہ ابن محمد ابن داؤد ھاشمی نے متوکل کو لکھ بھیجا تھا کہ لوگ علی ابن محمد (امام نقیؑ) کو امام سمجھتے ہیں۔ امامؑ کو جب متوکل کا

خط ملا تو حضرت یحیی ابن ہرثمہ کے ہمراہ بغداد کی طرف چل پڑے، جب بغداد کے قریب ایک علاقے بنام "یاسریہ" پہنچے تو وہاں امام ٹھہرے، اسحاق ابن ابراہیم (والی بغداد) امام کی ملاقات کے لئے بغداد سے نکلا جب وہ یاسریہ پہنچا تو اس نے دیکھا کہ لوگ مشتاقانہ اور والہانہ امام کو گھیرے ہوئے ہیں اور امام کی زیارت کے لئے بہت زیادہ اجتماع ہو چکا ہے یہ صورت حال دیکھ کر اسحاق رات تک ٹھہر گیا اور پھر راتوں رات امام کو بغداد لے آیا اور جب رات کا کچھ اور حصہ بیت گیا تو امام کو سامراء کی طرف بھیج دیا[۵۴]۔

شیخ مفید نے امام کو سامراء بلانے کے اسباب اور حضرت کے سامراء پہنچانے کی کیفیت یوں بیان کی ہے۔ حضرت امام علیؑ ابن محمدؑ کے سامراء بلانے کی وجہ وہ شکایتیں تھیں جو متوکل کی طرف سے مدینہ میں نماز پڑھانے والے اور جنگی مسائل کے نگراں عبداللہ ابن محمد کی طرف سے متوکل کو بھیجی گئی تھیں۔ عبد ابن محمد حضرت کو تکلیفیں پہنچانے کی خاطر یہ چغلیاں کیا کرتا تھا حضرت ھادیؑ نے ان شکایتوں اور تہمتوں کے ازالہ کے لئے متوکل کو خط لکھا جس میں حضرت نے عبداللہ کی باطنی خباشت اور جھوٹ کی وضاحت کی متوکل نے حضرت کے جواب میں خط لکھا اور امامؑ سے درخواست کی کہ مدینہ سے سامراء تشریف لائیں تاکہ عبداللہ کی خباثتوں کا ازالہ کیا جاسکے، اس کے خط کی عبارت درج ذیل تھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم: امیرالمومنین آپ کی اور آپ کے خاندان

کی عظیم قدر و منزلت سے واقف ہے اور ہماری کوشش ہے کہ آپ کی خوشنودی اور آسائش کی ہر ممکن کوشش کریں اور آپ کی عزت و آبرو کا پاس کریں آپ کو سکون و آرام پہنچائیں تاکہ اس طرح سے خدا کی خوشنودی حاصل کر سکیں اور اپنی ذمہ داری پوری کر سکیں۔ امیرالمومنین عبداللہ کی اس احمقانہ حرکت جس میں اس نے آپ کی توہین کی اور ناروا باتوں کی آپ کی طرف نسبت دی ہے کہ جاننے کے بعد اسے اس کے منصب سے معزول کرتے ہیں اور اس کی جگہ محمد ابن فضل کو بھیجا جا رہا ہے کیونکہ ہمیں آپ کی صداقت پر اطمنیان ہے کہ آپ یقیناً وہ نہیں کرنا چاہتے جس کی تہمت آپ پر لگائی گئی ہے میں نے اپنے نئے نمائندے کو حکم دیا ہے کہ آپ کے ساتھ احترام کے ساتھ پیش آئے اور آپ کے مبارک فرمان پر توجہ دے کیونکہ خدا اور امیر لمومنین (متوکل) کی خوشنودی اسی طرح حاصل کی جاسکتی ہے۔

مزید یہ کہ امیرالمومنین آپ کی زیارت کے مشتاق ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ سے ملاقات کریں۔

اگر آپ پسند کریں تو چلے آیئے اور اپنے ساتھ خاندان والوں میں سے اور متاع و مال وغیرہ جو کچھ لانا چاہیں لے آیئے اور جہاں پسند فرمائیں قیام فرمائیے اور جب چاہیں سفر شروع کیجئے۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو یحیی ابن مرثم امیرالمومنین کا غلام اپنے دستے کے ساتھ آپ کی ہمراہی کرے، آپ جیسا چاہیں۔ ہم نے اسے آپ کے پاس اس حکم کے ساتھ بھیجا ہے کہ آپ کی اطاعت کرے۔ اب آپ

دیکھیں خدا کا منشاء کیا ہے. آپ امیر المومنین کے پاس آجائیں کیونکہ اسے اپنے رشتہ داروں، بھائیوں اور اولاد میں سے آپ سے زیادہ کوئی بھی عزیز نہیں ہے اور نہ کسی کو آپ جیسا رتبہ حاصل ہے آپ کا سب سے زیادہ ہمدرد، دوست اور دلسوز مجھ سے زیادہ کوئی نہیں ہوگا. والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (۵۵) ابراہیم ابن عباس جمادی الثانی ۲۴۳ھ ہجری.

جب متوکل کا یہ خط حضرت ھادیؑ کو پہنچا تو حضرت نے سامراء کی جانب سفر کا فیصلہ کر لیا. متوکل کا خط ایک بہت مضبوط سیاست پر مشتمل تھا پورے خط میں بڑے احترام کے ساتھ حضرت کو مخاطب کیا گیا تھا لیکن متوکل کا اصلی مقصد حضرت کو سامراء بلوا کر وہاں رکھنا تھا اور اس کا ایک سیاسی پہلو بھی تھا کیونکہ وہ ڈرتا تھا کہ کہیں لوگ غصے میں نہ آجائیں اور بنی عباس کی حکومت کے خلاف شورش برپا نہ کر دیں، جیسا کہ ہوا بھی یہی امامؑ کے سامراء جانے اور متوکل کے اس اقدام سے لوگوں میں غم وغصے کی لہر دوڑ گئی.

پھر حضرتؑ جب سامراء پہنچے تو متوکل کا حضرتؑ سے ملاقات نہ کرنا اور انھیں صعالیک نامی سرائے میں ٹھہرانا، اس کی خباثت کو ظاہر کرتا ہے بالخصوص اس صورت میں کہ جب حضرت کے سامراء پہنچنے کی خبر عام ہوئی تو لوگ جوق در جوق حضرت کی زیارت کو آنے لگے لوگوں کا مجمع لگ گیا اور ہر کوئی کسی نہ کسی طرح عقیدت کا اظہار کرنے لگا جیسا کہ پہلے یعقوبی سے نقل ہو چکا ہے.

سبط ابن جوزی حضرت کے سامراء بلوائے جانے کا تذکرہ یحیی ابن ہرثمہ کی

زبان سے نقل کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یحیی کو متوکل کی طرف سے حکم ہوا کہ مدینہ جا کر امامؑ کے بارے میں سیاسی سرگرمیوں کی خبروں کی تحقیق کرے، یحیی وہی شخص ہے جو امام کو مدینہ سے سامراء لایا اور پورے راستہ حضرت کے ہمراہ رہا۔ ابن جوزی لکھتا ہے سیرت نگار علماء کہتے ہیں کہ متوکل کے حضرت ھادیؑ کو سامراء بلانے کی وجہ متوکل کی حضرت علیؑ کے ساتھ دشمنی تھی۔

کیونکہ اسے خبریں ملی تھیں کہ حضرت علیؑ ابن محمدؑ کو مدینہ میں بہت زیادہ قدر و منزلت حاصل ہے۔ لہذا اس نے یحیی ابن ہرثمہ کو بلا کر کہا، مدینہ جاؤ امام کے بارے میں تحقیق کرو اور پھر انھیں سامراء لے آؤ۔ یحیی کہتا ہے میں مدینہ گیا جب میں شہر میں داخل ہوا تو لوگوں نے عجیب اضطراب کا اظہار کیا۔ انھیں احساس ہوگیا کہ امامؑ کو کوئی خطرہ در پیش ہے تمام لوگوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ کیونکہ وقت مسجد میں گذرتا تھا۔

دنیا سے ان کا دل اٹھ چکا تھا۔ میں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو لوگوں کو رام کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اور قسم کھائی کہ مجھے امام کو کسی قسم کے ضرر پہچانے کا حکم نہیں دیا گیا ہے اور حضرتؑ کے لئے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے یوں لوگوں میں کچھ سکون ہوا اور میں نے حضرت کے گھر کی تلاشی لی لیکن چند کتابوں، دعاؤں اور قرآن کے علاوہ مجھے وہاں سے کچھ نہ ملا۔

یہ صورت حال دیکھ کر میرے دل میں ان کی عظمت بیٹھ گئی اور میں نے طے کیا کہ خود ان کی خدمت کروں اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کروں جب ہم

بغداد پہنچے تو میں پہلے اسحاق ابراہیم طاہری کے وہاں گیا جو کہ بغداد کا والی تھا۔ اس نے مجھ سے کہا:

اے یحیی تم جانتے ہو کہ یہ شخص رسول خداؐ کا بیٹا ہے اور تم متوکل کے آباء کو جانتے ہو اگر تم نے متوکل کو ان کے خلاف بھڑکایا تو متوکل انھیں قتل کر دے گا۔ اس صورت میں قیامت کے دن رسول خداؐ تمہارے دشمن ہونگے۔ میں نے قسم کھائی کہ میں نے انکے ساتھ نیکی کا برتاؤ روا رکھا ہے۔ جب میں حضرت کو سامراء لے گیا تو پہلے ہم وصیف ترک کے وہاں گئے اور اسے میں نے حضرت ھادیؑ کے آنے کی اطلاع دی تو اس نے کہا خدا کی قسم اگر ایک بال بھی ان کا بیکا ہوا تو میں تم سے پوچھوں گا۔

یحیی کہتا ہے مجھے بڑا تعجب ہوا کہ کیسے ان دونوں (وصیف ترک اور اسحاق ابن ابراہیم) نے ایک جیسی بات مجھ سے کہی ہے۔ جب ہم متوکل کے پاس گئے تو متوکل نے مجھ سے ان کے بارے میں پوچھا میں نے کہا:

امام ایک عابد و زاھد اور اچھے اخلاق و کردار کے مالک ہیں اور ان کے گھر کی تلاشی میں مجھے سوائے چند کتابوں، دعاؤں اور قرآن کے کچھ نہیں ملا۔ اور مدینہ کے لوگ ان کے بارے میں پریشان تھے تو متوکل نے بھی حضرتؑ کا بہت اکرام و تعظیم کی اور انھیں سامراء میں اپنے پاس ٹھہرا لیا[۵۶]۔

ان باتوں سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ متوکل کا امام کو سامراء بلانا حضرت کی عظیم شخصیت اور لوگوں کی ان کے ساتھ اور خاندان اہلبیتؑ کے ساتھ گہری

محبت سے خوفزدہ ہونے کی وجہ سے تھا۔

۔یحیی کی باتوں سے لوگوں کی حضرت ھادیؑ کے ساتھ شدید محبت کی تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً اس نے کہا، جب میں مدینہ میں داخل ہوا تو لوگوں میں عجیب قسم کا اضطراب پیدا ہوگیا۔ اور انہوں نے محسوس کر لیا کہ امام کی جان کو خطرہ لاحق ہے اور اس سے پہلے ابن جوزی کا یہ جملہ " حضرت علیؑ ابن محمدؑ کی اہل مدینہ کے دلوں میں عظیم قدر و منزلت اور لوگوں کے دلوں میں حضرت کی شدید محبت کی اطلاع جب متوکل کو پہنچی تو اس چیز نے اسے کوفزدہ کر دیا۔

اسی طرح والی بغداد کی باتیں بھی حضرت ھادیؑ کے بلند مرتبے اور ان کی مدینہ والوں کے دلوں میں گہری تاثیر پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اس نے کہا یہ شخص ذریت رسول خداؐ سے ہے تم اگر متوکل کو ان کے خلاف ابھارو گے تو متوکل انھیں قتل کر دے گا تو پھر قیامت کے دن رسول خداؐ تمہارے دشمن ہونگے۔ اور اسی طرح وصیف ترک کی باتیں جو عباسی حکومت کا اصلی مہرہ تھا۔

وہ کہتا ہے: اگر اس کا ایک بال بھی بیکا ہوا تو میں تم سے پوچھوں گا اور تم اس کے ذمہ دار ہوگے۔ اس سے پہلے متوکل کا خط حضرت کے نام ذکر ہو چکا ہے جو حضرت کی تعریف و توصیف سے بھرا ہوا تھا، اور یعقوبی کی یہ تحریر بھی ذکر ہو چکی کہ اسحاق ابن ابراہیم نے حضرت ھادیؑ کی زیارت کیلئے لوگوں کا جذبہ دیکھا تو رات تک کیلئے ٹھہر گیا اور رات کو حضرتؑ کے پاس گیا۔

اس بارے میں ابن صباغ مالکی کی عبارت یوں ہے۔

ابوالحسن (امام ھادیؑ) سامراء کی مدت سکونت میں ظاہری طور پر مورد احترام و اکرام رہے لیکن خفیہ طور پر متوکل ان کے قتل کی سازشوں میں مصروف رہا جنھیں خداوند عالم ناکام بناتا رہا۔

یہ تھے وہ اسباب جن کی وجہ سے حضرتؑ کو سامراء بلوایا گیا تھا اور وہاں ٹھہرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔

راستے میں پیش آنے والے واقعات میں سے ایک انتہائی تعجب خیز واقعہ یہ تھا کہ امام ھادیؑ کا مدینے سے سامراء تک کا سفر گرمیوں میں تھا ایک دن اثناء سفر لوگوں نے دیکھا کہ بے آب و گیاہ صحرا کی گرمی اپنے عروج پر ہے لیکن حضرتؑ نے اپنی عباء سر پر ڈال لی ہے۔ اونٹ کا پاؤں باندھ دیا ہے اور خود کو بارش سے بچنے کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ اس موسم میں بارش کا امکان ہی نہیں تھا اور نہ کوئی بارش کی علامت دکھائی دیتی تھی جبکہ امام بارش کے لئے تیاری کر چکے تھے اچانک لوگوں نے دیکھا کہ بادل چھا گئے ہیں اور سخت بارش شروع ہو گئی۔

جب حضرت سامراء پہنچے تو متوکل نے حضرت کے ساتھ ایسا سیاسی برتاؤ رکھا کہ جس نے حضرت پر زیادہ دباؤ پڑ سکے۔ اس نے حضرت کو شھید کرنے کے لئے مختلف منصوبے بنائے۔ اور حضرت کو عوام میں بدنام کرنے کے لئے مختلف حیلے کئے۔ لیکن امامؑ متوکل کی اس سیاست کو مکمل طور پر جانتے تھے اور ہر موقع پر اس کا مناسب جواب دیتے تھے۔

متوکل کے امامؑ کے ساتھ ٹکراؤ کی پہلی مثال امام کے بغداد پہنچنے کے ساتھ ہی سامنے آئی. جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا کہ امام کو "یاسریہ" روک لیا گیا تھا اور پھر رات کے وقت بغداد لایا گیا. تاکہ لوگ حضرت کے استقبال کے لئے جمع نہ ہوں. اور حضرت کی عظیم شخصیت ان پر اثر انداز نہ ہو جائے.

متوکل کے بہی خواہوں نے ہر ممکن کوشش کی جس سے حضرتؑ کی شخصیت کو کم کر کے لوگوں کی توجہ ان سے ہٹائی جا سکے.

یہ واقعہ ابن صباغ سے ہم نقل کر چکے کہ حضرت ھادیؑ کے ہمراہ یحیی ابن ہرثمہ اپنے دستے کے کچھ افراد کے ساتھ چلا اور جب امامؑ سامراء پہنچے تو متوکل ان سے ملنے نہ آیا اور امامؑ کو سرائے "صعالیک" میں ٹھہرا یا گیا. جہاں پورا دن حضرت رہے اس کے بعد متوکل نے حضرتؑ کے لئے ایک مناسب گھر کا بندوبست کیا[۵۷].

امام ھادیؑ سامراء میں!

یہاں پر متوکل اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے امام پر سیاسی دباؤ بڑھانے کے مختلف طریقے شروع ہو جاتے ہیں. کبھی تو امام کی شخصیت کو مخدوش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور کبھی امامؑ کو شہید کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، کبھی ان کے گھر کی تلاشی لینے کے درپے ہوتے ہیں، کبھی ان پر شورش کی تہمت لگا کر انھیں رات کو متوکل کے محل میں لے جاتے ہیں اور کبھی امام کے مقابلے میں کسی دوسری شخصیت کو لانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ان تمام سازشوں میں خداوند کا خاص لطف و کرم امامؑ کی حمایت و نصرت کرتا ہے جس سے یہ سازشیں نقش بر آب ہوتی چلی جاتی ہیں.

متوکل کی خاندان علی سے سخت عداوت کے باوجود امام کی شخصیت دن بدن اجاگر ہوتی جاتی ہے جس کی وجہ سے متوکل کو بھی مجبوراً حضرتؑ کے ساتھ محبت کا اظہار کرنا پڑتا ہے. حضرت کی محبت لوگوں میں اس حد تک بڑھ

گئی تھی کہ متوکل کے محل کے اندر بھی حضرت کے چاہنے والے پیدا ہو چکے تھے۔

اور شیخ طبرسی، امام ھادیؑ کی اس عظیم قدر منزلت، متوکل اور اس کے حواریوں اور سامراء کی بڑی شخصیتوں کے حضرت کی نسبت حسد اور حضرت کی فضیلت گھٹانے کی خاطر ان لوگوں کی کوششوں کے بارے میں لکھتے ہیں!

ابن عیاش ابو طاہر حسین ابن عبد القاہر طاہری سے نقل کرتا ہے کہ محمد ابن حسن اشتر علوی نے مجھ سے کہا کہ میں اور میرا باپ متوکل کے محل کے پاس بنی طالب، بنی عباس اور بنی جعفر کے کچھ افراد کے ساتھ موجود تھے میں اور میرا باپ کھڑے تھے کہ اچانک ابوالحسن علی ابن محمد (امام ھادیؑ) وہاں پہنچے تو سب لوگ ان کے احترام میں کھڑے ہوگئے۔

حضرت متوکل کے گھر میں داخل ہوگئے اس کے بعد لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے ہم نے اس جوان کا اتنا زیادہ احترام کیوں کیا! حالانکہ نہ وہ ہم سے عمر میں بڑا ہے اور نہ ہم سے زیادہ اسے شرف حاصل ہے خدا کی قسم اب اس کے احترام میں کھڑے نہیں ہونگے۔

ابو ھاشم جعفری کہتا ہے: خدا کی قسم تم دوبارہ بھی اسے دیکھو گے تو اپنے آپ کو اس کے مقابل میں چھوٹا سمجھو گے اور اس کا احترام کرو گے. کچھ ہی دیر بعد حضرت ھادیؑ متوکل کے گھر سے نکلے تو لوگ دوبارہ انکے احترام میں

ادب سے کھڑے ہوگئے۔

ابو ھاشم نے کہا: تم نے سمجھا تھا کہ اس کے سامنے بے احترامی کرسکتے ہو ؛انہوں نے کہا خدا کی قسم ہم بے اختیار ہو چکے تھے (۵۸)۔

شیخ طبرسی ایک داستان زید ابن موسی ابن جعفرؑ امام جوادؑ کے چچا کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ زید کوشش کرتا تھا کہ اپنے آپ کو امام کے برابر قرار دے، جب وہ حضرت کی لوگوں کے درمیان قدر منزلت کو دیکھتا تھا تو حسد سے اس کا وجود جلنے لگتا تھا،

طبرسی کی عبارت یوں ہے۔

ابن حمبور سعید ابن عیسی سے نقل کرتا ہے کہ زید ابن امام موسی کاظمؑ نے کئی بار عمر ابن فرج سے درخواست کی کہ اسے اس کے بھتیجے (امام ھادیؑ) سے زیادہ اہمیت دے اور وہ عمر بن فرج کو یہ دلیل دیا کرتا تھا کہ وہ ابھی بچہ ہے اور میں اس کے باپ کا چچا ہوں، عمر نے یہ بات امام ھادیؑ کو بتائی تو حضرت نے اسے فرمایا کہ مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرو اور وہ یوں کہ کل میری دعوت کرو اور جب میں آجاؤں تو اسے بھی بلا لو عمر نے یہی کیا جب حضرت صدر مجلس میں تشریف فرما ہو چکے تو زید ابن موسیٰ بھی پہنچ گیا اور حضرت کے پاس بیٹھ گیا، اس کے اگلے دن عمر نے زید کو پہلے بلا لیا اور صدر مجلس میں بٹھا دیا اس کے بعد امامؑ پہنچے زید نے جب امامؑ کو دیکھا تو اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور امام کے لئے وہ جگہ خالی کر دی اور خود حضرتؑ کے

نزدیک بیٹھ گیا[۵۹]۔

اس کے بعد شیخ طبرسی اس واقعہ اور اس جیسے دوسرے واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ متوکل نے مختلف حیلوں بہانوں کے ذریعے لوگوں کے دلوں سے حضرت کی قدر و منزلت کم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اسے ہر بار شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ان تمام موارد کا ذکر بات لمبی کر دے گا[۶۰]۔

پس یہ معلوم ہوگیا کہ متوکل اور اس کے درباریوں کی یہ کوشش تھی کہ کس طرح سے حضرت کی اجتماعی و سماجی شخصیت کو مخدوش کیا جائے لیکن ان سازشوں کے باوجود حضرت کی شخصیت زیادہ مضبوط ہوتی رہی، اور حضرت اپنی فہم و فراست کے ذریعے ان سازشوں کو ایک ایک کر کے ناکام کرتے چلے گئے۔ جب کوئی سازش کامیاب نہ ہوسکی تو متوکل نے پوری کوشش اس بات پر صرف کرنا شروع کر دیں کہ حضرتؑ کو نظر کے سامنے رکھ کر ان کی سرگرمیاں محدود کر دے۔

پھر اس نے اپنے ایک درباری عالم کو امام کے مقابلے میں لانے کی کوشش کی۔ تمام ظالم حکومتوں کا یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ لوگوں کے افکار کو منحرف کرنے کی خاطر اس طریقہ کو اپناتے ہیں۔ ظاہری طور پر تو اس اقدام سے دینی اقدار کا احترام نمایاں ہوتا ہے لیکن اس اقدام کا مقصد لوگوں کو کنٹرول میں کر کے ان سے فائدہ اٹھانا ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ وہ مذہب کے خلاف مذہب کی آڑ لیتے ہیں۔ متوکل کو چونکہ لوگوں کے دلوں میں

اہلبیتؑ کی عظمت کا علم تھا لہذا اس نے پوری کوشش کی کہ اسی خاص نکتے سے اپنے حق میں استفادہ کرے لیکن اس میدان میں بھی اسے کامیابی نہ ہو سکی. لہذا متوکل نے ایک دن یہ مسئلہ اپنے مشیروں کے سامنے رکھا اور حضرت کے ساتھ برتاؤ، ان کی اجتماعی حیثیت کم کرنے اور حضرت کو شہید کرنے کے بارے میں ان سے صلاح و مشورہ کیا.

شیخ مفید اس بارے میں لکھتے ہیں.

ابو طیب یعقوب ابن یاسر سے بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے متوکل نے کہا میں رضاؑ کے پوتے کے مقابلے سے عاجز آچکا ہوں میں نے ہر ممکن کوشش کی کہ وہ میرے ساتھ شراب پئیں، لیکن مجھے کامیابی نہ ہو سکی. میں موقع تلاش کرتا رہا کہ انھیں اپنی عیش و عشرت کی محفل میں شریک کو سکوں لیکن مجھے کامیابی نہ ہو سکی، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا: اگر حضرت ھادیؑ اس بات پر تیار نہیں ہوتے تو ان کا ایک بھائی موسی جو موجود ہے وہ پیٹ کا غلام اور خواہشات پرست شخص ہے اسے اپنے پاس بلاؤ اکثر لوگوں کو اس کا ان کے بھائی کے ساتھ فرق معلوم نہیں ہو سکے گا اور اگر کسی کو ان کے فرق کا پتہ چل بھی گیا تو وہ امام ھادیؑ کو اپنے بھائی کے اعمال و کردار کے ذریعہ تہمت لگائے گا. متوکل نے کہا کہ خط لکھو کہ موسی کو عزت و احترام کے ساتھ میرے پاس لایا جائے. اس سے پہلے متوکل نے یہ بندوبست کر لیا کہ تمام بنی ھاشم، افسر اور دوسرے لوگ موسی کی ملاقات کے لئے حاضر ہوں.

اسنے سوچ رکھا تھا کہ اسے کچھ زمین بھی تحفے میں دے گا جسمیں ایک عمارت تعمیر کرے گا جہاں شراب فروشوں اور گویوں کو رکھے گا، اور موسی کو بہت زیادہ تحفے تحائف دے گا۔ اسکےعلاوہ ایک خفیہ گھر بھی بنا رکھا تھا جہاں وہ موسی کے ساتھ آرام سے ملاقات کر سکے۔ (جب موسی شہرمیں داخل ہوا تو امام ھادیؑ صیف نامی پل پر کہ جہاں لوگ شہرمیں آنے والوں کی ملاقات کیلئے حاضر ہوتے تھے)۔

موسی سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے حضرتؑ نے اس سے سلام و دعا کے بعد اس سے فرمایا دیکھو یہ شخص (متوکل) تمہیں بے اعتبار کرنا چاہتا ہے، اور لوگوں کی نظروں سے گرانا چاہتا ہے، بھائی کہیں شراب پینے نہ لگنا، پرہیزگاری اختیار کئے رکھنا اور اپنے آپ کو حرام کام سے بچائے رکھنا، موسی نے کہا، اب جب وہ مجھے اس کام کے لئے دعوت دے چکا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا: اپنے آپ کو ذلیل و خوار نہ کرو۔ اور خدا کے احکام کی نافرمانی نہ کرو جو کام تمہاری پستی و بے عزتی کا موجب نبے اسے انجام نہ دو۔ متوکل صرف تمہیں لوگوں میں بے عزت کرنا چاہتا ہے۔ لیکن موسی نے حضرتؑ کی باتوں کی پروانہ کی اور ان کی باتوں کی مخالفت کرتا رہا۔ جب حضرت نے دیکھ لیا کہ اس پر کوئی بات اثر نہیں کرے گی تو حضرت نے فرمایا اب جب کہ تم نہیں مانتے تو جان لو کہ تم کبھی متوکل کی اس محفل میں حاضر نہیں ہو سکو گے۔

روای کہتا ہے تین سال تک مسلسل موسی متوکل کے دروازے پر ملاقات کے لئے ہر صبح آتا رہا۔ لیکن اسے جواب دیا جاتا کہ آج ملاقات نہیں ہوسکے گی۔ متوکل مصروف ہے موسی لوٹ جاتا اور دوسرے دن پھر آتا۔ اس سے کہا جاتا آج متوکل نشے میں مست ہے، کبھی کہتے آج اس نے دوا کھائی ہے یہاں تک کہ متوکل قتل ہوگیا اور موسی کی یہ خواہش کبھی پوری نہ ہوسکی کہ وہ متوکل کے ہمراہ شراب پی سکے (۶۱)۔

یہ واقعہ و سازش در اصل عباسی خلیفہ کے خوف و ہراس کا اظہار ہے اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے۔ کہ اس نے امام سے مقابلہ کے لئے کسی وسیلے سے بھی دریغ نہیں کیا تھا اس واقعہ میں متوکل کی اس سازش اور کسی کو امام کا مد مقابل بنانے کی کوشش میں امامؑ کی فہم و فراست، کا پتہ بھی چل جاتا ہے۔ اگر یہ سازش کامیاب ہو جاتی تو امام کی شخصیت پر حرف آسکتا تھا۔ جس سے لوگ حضرت سے دور ہو جاتے اور یوں حضرت کو شہید کرنا اور حق و عدالت کی کوششوں کا قلع قمع کرنا آسان ہو جاتا، حضرت ھادیؑ کو صرف بنی عباس کی سازشوں کا سامنا نہیں تھا بلکہ تمام دشمنان اہلبیتؑ حضرت ھادیؑ کے وجود کو ختم کرنے کے لئے اپنی اپنی کوششوں میں مصروف تھے۔

انہی کوششوں میں سے بطحائی کی سازش تھی وہ متوکل کو حضرت کی جھوٹی خبریں پہنچاتا۔ جن میں وہ حضرت کی طرف سے اسلحہ اور مال کی جمع آوری اور ایک عمومی انقلاب کی کوششوں کی جھوٹی شکایتیں ہوتیں، متوکل

نے انہی خبروں کو بنیاد بنا کر کچھ ضمیر فروشوں کو حکم دیا کہ رات کو امام کے گھر پر حملہ کریں اور گھر کی تلاشی لینے کے بعد امام ھادیؑ کو گرفتار کر لیں.

وہ لوگ امام کے گھر پہنچے اور پورے گھر کی تلاشی لے ڈالی لیکن انھیں کوئی چیز وہاں نہ مل سکی. انھوں نے یہ دیکھا کہ حضرت رات کی خاموشی میں اپنے رب کے ساتھ مناجات میں مصروف ہیں جب کہ متوکل اپنی رات کنیزوں کے درمیان عیش و نوش میں گانے سن سن کر گذار رہا تھا.

ابن صباغ ای اس واقعہ کے بارے میں لکھتا ہے.

بطحائیٔ نام کے ایک شخص متوکل سے امام ھادیؑ کی شکایت کی، اس نے متوکل سے کہا ابوالحسن (امام ھادیؑ) اسلحہ اور پیسہ جمع کر رہے ہیں مجھے خطرہ ہے کہ وہ آپ کے خلاف شورش برپا نہ کریں.

متوکل نے سعید حاجب کو حکم دیا کہ رات کو کچھ تجربہ کار اور بہادر افراد لیکر امام ھادیؑ کے گھر جاؤ اور تلاشی لو وہاں تمہیں جو اسلحہ اور مال ملے میرے پاس لے آؤ.

ابراہیم ابن محمد کہتا ہے. سعید حاجب نے مجھ سے بیان کیا کہ جب لوگ سو چکے تو میں چند دوسرے ساتھیوں کے ساتھ سیڑھی اٹھا کر حضرت ھادیؑ کے گھر کی طرف چلا، وہاں ہم سیڑھی کے ذریعے گھر کی چھت پر چڑھے اور دروازہ کھول کر سب گھر میں داخل ہوگئے. کچھ چراغ جلا کر ہم نے پوری گھر کی تلاشی لے ڈالی. اس تلاشی کے دوران ہمیں صرف دو تھیلیاں ملیں. ایک

بڑی تھیلی تھی جو مہر لگی ہوئی اور بند تھی اور دوسری چھوٹی تھیلی جس میں حضرت کی ضرورت کی چیزیں تھیں اور ایک تلوار جو خستہ حالت نیام میں بند دیوار کے ساتھ ٹکی ہوئی تھی۔ ابوالحسنؑ اس وقت ایک چٹائی پر اونی لباس پہنے سر پر ٹوپی لگائے، نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے ہمارے اوپر بالکل توجہ نہ دی، میں نے وہ دو تھیلیاں اور تلوار اٹھالی، متوکل کے پاس لے آیا اور اسے اپنی کارکردگی کی رپورٹ دی، اور تلاشی کے دوران امام کی حالت سے بھی آگاہ گیا۔ متوکل نے دیکھا کہ بڑی تھیلی پر اس کی ماں کی مہر لگی ہوئی ہے (مؤرخین نے لکھا ہے کہ متوکل بیمار ہوا تھا جس کی وجہ ایک پھوڑا تھا جو اس کی گردن پر نکل آیا تھا اور کوئی علاج بھی کارگر نہ ہوتا تھا۔ اس بارے میں امام هادیؑ سے مشورہ کیا گیا تو حضرت نے فرمایا: دنبہ کی چربی گلاب میں ملاکر اس پھوڑے پر لگائیں۔

اسی طرح کیا گیا جس سے متوکل ٹھیک ہوگیا اسی بیماری میں متوکل کی ماں نے منت مانی تھی کہ اگر متوکل ٹھیک ہوگیا تو اپنے مال سے دس ہزار دینار امام هادیؑ کی خدمت میں بھیجے گی۔ یہ تھیلی وہی تھی) متوکل نے اپنی ماں کو بلا کر اس تھیلی کے بارے میں پوچھا تو اس نے اس نذر کا ماجرا کہہ سنایا۔ جب متوکل کو اس واقعہ کا پتہ چلا تو اس نے پانچ ہزار دینار مزید چھوٹی تھیلی میں رکھے اور سعید حاجب سے کہا، یہ تلوار اور تھیلیاں حضرت ابوالحسنؑ کی خدمت میں پہنچاؤ اور ہماری طرف سے ان کے حق میں جو بے احترامی ہوئی

ہے اس پر معذرت طلب کرو۔

سعید کہتا ہے میں نے وہ چیزیں حضرت تک پہنچائیں اور عرض کیا کہ متوکل نے پانچ دینار مزید دیئے ہیں اور آپ سے درخواست ہے۔ کہ مجھے معاف کر دیں کیونکہ میں حکم کا بندہ مجبور تھا امیر المومنین کے حکم کی مخالفت نہیں کر سکتا تھا۔ تو حضرت نے فرمایا:

اے سعید: " وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون "۔

ظالم جلد ہی جان لیں گے کہ انھیں کہاں لوٹایا جائے گا (۴۲)۔

حسن ابن محمد ابن جمہور ابن عمی نے اپنی کتاب "الوحدۃ" میں لکھا ہے۔

میرے بھائی حسین ابن جمہور ابن عمی نے مجھ سے بیان کیا کہ میرا ایک دوست تھا بڑا با ادب، جو بغائیا وصیف کا بیٹا تھا (یہ تردید حسن کی طرف سے ہے اور بغاء و وصیف دونوں ترک تھے اور متوکل کی فوج کے سرگردہ افراد سے تھے) اس نے مجھ سے بیان کیا کہ آج دار الخلافہ سے لوٹتے ہوئے خلیفہ نے اس شخص کو روک لیا جو ابن الرضاؑ کے نام سے مشہور ہے اور اسے علی ابن کرکر کے حوالے کر دیا۔ میں بھی اس ماجرا کو دیکھ رہا تھا اس شخص نے گرفتاری کے وقت کہا میری قدر و منزلت خدا کے نزدیک ناقہ صالح سے زیادہ ہے۔

" تمتعوافی دارکم ثلاثۃ ایام ذلک وعد غیر مکذوب "

(یعنی اپنے گھر میں تین دن تک رہو یہ سچا وعدہ ہے) اس شخص نے صرف یہی کہا اور مزید کچھ نہ کہا تم بتاؤ اس کی مراد کیا تھی۔

تو میں نے اسے جواب دیا خدا تیرا بھلا کرے یہ عذاب خدا کی خبر ہے اب انتظار کرو کہ آئندہ تین دن کے اندر اندر کیا ہوتا ہے، تیسرے دن " باغر " "یلغون" " تامش" اور چند دوسرے لوگوں نے متوکل کے کمرے پر حملہ کر دیا اور اس کو قتل کر کے اس کے بیٹے منتصر کو اس کی جگہ خلیفہ بنا دیا[۳۴]۔

یہ تھے وہ چند نمونے ان مشکلات و مصائب کے جو امام ھادیؑ کو متوکل کے مقابلے میں اور یہ سلسلہ متوکل کی موت تک جاری رہا۔ متوکل کی موت کے ساتھ ائمہؑ پر سختی اور دباؤ کسی حد تک کم ہوگیا۔

علوی تحریکیں!

جب تمام مسلمانوں پر بالعموم اور آل ابوطالب پر بالخصوص مصیبتوں کا دباؤ شدید ہو چکا تھا تو علویوں نے جن کی مسلح تحریکیں پھر شروع کیں جو سیدالشہداء کے قیام کے زمانے سے اب تک جاری تھیں انکے جہاد کی بھٹی دن بدن زیادہ گرم ہوتی جاری تھی اور متوکل کی حکومت کے خلاف بھی اس تحریک کی تقویت کے لئے مختلف اسباب و عوامل مہیا ہو چکے تھے جن میں ہم درج ذیل اسباب کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۱۔ لوگوں کے جذبات و احساسات اور عموی افکار علویوں کے حق میں تھے لوگ ان کی طرف احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔

۲۔ ملک کی سیاسی، اقتصادی، انتظامی اور امن و امان کی صورت حال اس حد تک بگڑ چکی تھی جو علویوں کو قیام کے لئے تشویق کی باعث بنی۔

۳۔ خود ارباب اقتدار کے اندر چپقلش اور ان میں پھوٹ اس حد تک

بڑھ چکی تھی جو متوکل کے قتل کا باعث بنی۔

ساتھ ہی ملک کی سیاسی صورت حال اور حکومت کا مخالف تحریکوں کے ساتھ برتاؤ قیام کی راہ مزید ہموار کر رہا تھا۔ ان تحریکوں میں سے کہ جو حضرت ھادیؑ کی امامت اور متوکل کی حکومت کے دور میں وقوع پذیر ہو رہی تھیں بعض کی سربراہی علویوں کے ہاتھ میں تھی۔ ان میں سب سے مشہور قیام محمد ابن صالح ابن عبداللہ ابن موسی ابن عبداللہ ابن حسن ابن حسن ابن علی ابن ابی طالب کا قیام تھا۔ جسے ابوالفرج اصفہانی نے مقاتل الطالبین میں یوں بیان کیا ہے:

وہ (محمد ابن صالح) ایک بہادر، شجاع، زیرک اور بنی طالب کے شعراء میں شمار ہوتے تھے، اسی علوی مجاہد نے قیام کیا اور اس کے ساتھ بہت سے اس کے چاہنے والے بھی شامل ہوگئے۔ اس کا قیام "سویقہ" (۴۳) سے شروع ہوا لیکن اس کے چچا موسی ابن عبد اللہ ابن موسی اس قیام کے بارے میں خطرے کا احساس کرنے لگے انھیں اس کی کامیابی کی زیادہ امید نہیں تھی۔ لہذا انہوں نے محمد ابن صالح سے اصرار کیا کہ اپنے آپ کو اس سال کے حاجیوں کے سرپرست ابو ساج کے حوالے کر دے۔ محمد ابن صالح نے اپنے آپ کو اپنے کچھ ساتھیوں سمیت ابوساج کے حوالے کر دیا۔

انھیں زنجیروں میں جکڑ کر سامراء لے جایا گیا جہاں انھیں ان کے ساتھیوں سمیت قید کر دیا گیا۔ وہ تین سال کے بعد زندان سے رہا ہوگئے اور

آخر عمر تک اسی شہر میں رہے۔ بعض مؤرخین نے ان سے کچھ رجز بھی نقل کئے ہیں۔ ان کے قیام کی رات ان کے ساتھ جو افراد تھے ان میں ایک احمد ابن ابو طاہر بھی ہے وہ اس رات کے بارے میں بیان کرتا ہے۔ میں ابوعبداللہ محمد ابن صالح ابن علی حسینی کے ہمراہ ایک دوست کے گھر میں تھا وہ آدھی رات تک ہمارے ساتھ رہے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ سوچکے ہیں لیکن وہ اچانک اٹھے اور اپنی تلوار اٹھاکر باہر نکل گئے۔ میں اس وقت ان کے باہر جانے کو خطرناک سمجھتے ہوئے ان کے بارے میں فکر مند ہوگیا۔ لہذا میں نے ان سے کہا فی الحال آپ یہیں پر آرام کریں جب میں نے اپنی پریشانی اور خوف کا ذکر ان کے سامنے کہا تو انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔

" ازا ما اشتمل السیف واللیل لم اھل بشی ولم تقرع فؤادی القوارع "۔

جب تلوار اور رات میرے ساتھ ہوں تو میں کسی شئی سے نہیں ڈرتا اور نہ کوئی خوف میرے دل کو لرزا سکتا ہے ان سے ایک اور قطعہ نقل ہوا ہے جس میں وہ قید خانے اور اس کی صعوبتوں کو بیان کرتے ہیں۔

طرب الفؤاد وعاودت احزانہ	وتشعبت شعبابہ اشجانہ
وبدالہ من بعد ما اندمل الھوی	برق تالق موھنا المعانہ
یبدو کحاشیح الرداء ودونہ	صعب الزداء فمنع ارکانہ
فدنا لینظر این لاح فلم یطق	نظراً الیہ وردہ سجانہ
فالنار ما اشتملت علیہ ضلوعہ	والماء ماسحت بہ اجفانہ

جب عشق کے زخم بھر چکے تھے اس کے لئے نور ظاہر ہو گیا جس کی روشن آنکھوں کو چند ھیا دیتی تھی. وہ نور ایسا چمکا جیسے رداء کا کنارا ہو اور اس سے پہلے سخت مصیبتیں تھیں جو اس کے ارکان کو مانع تھیں

وہ قریب آیا تاکہ دیکھے وہ نور کہاں سے ظاہر ہوا لیکن وہ اسے دیکھ نہ سکا اور زندان بان نے اسے لوٹا دیا. اس کا دل آگ سے پر ہے اور اس کی پلکوں سے پانی بہہ رہا ہے.

ابوفرج اصفہانی کے بقول متوکل کے دربار سے وابستہ بہت سے ضمیر فروش آل ابوطالب سے دشمنی رکھتے تھے جو ہمیشہ متوکل کو سادات کے خلاف اکساتے رہتے تھے وہ کوشش کرتے رہتے تھے کہ محمد ابن صالح آزاد نہ ہونے پائیں. ان دشمنوں میں عبداللہ ابن یحیی ابن خاقان کا نام لیا جا سکتا ہے .یہ شخص محمد ابن صالح کی رہائی روکنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتا تھا محمد ابن صالح نے کچھ اشعار میں اس کی ھجو کرتے ہوئے اس کے اخلاق اور اس کے خاندان کے بارے میں یوں کہاں ہے.

ومافی آل خاقان اعتصام	اذاما عمم الخطب الكبير
لئام الناس اشرا وفقرا	واعجزهم اذا حمى القتير
وقوم لايزوجهم كريم	ولا تنسى لنسوتهم مهور

جب بھی کوئی بڑا حادثہ پیش آئے تو قوم خاقان میں کوئی اتحاد نہیں ہوتا .وہ کمینے، برے اور فقیر لوگ ہیں اور جنگ کی عروج کے وقت سخت عاجز ہیں

وہ ایسی قوم ہے کہ کوئی شریف آدمی انھیں رشتہ دینے پر راضی نہیں اور ان کی عورتوں کے حق مہر بہت زیادہ ہیں.

آل ابو طالب سے ایک اور شخص جس نے متوکل کے خلاف قیام کیا حسن ابن زید ابن محمد ابن اسماعیل ابن زید تھے انہوں نے طبرستان (مازندران) اور دیلم کے قرب وجوار سے اپنے قیام کا آغاز کیا اور انھیں کچھ علاقوں پر تسلط بھی حاصل ہو گیا. اس قیام میں ان کی مدد محمد ابن جعفر ابن حسن ابن عمر ابن علی ابن حسین بھی کر رہے تھے لیکن وہ عبداللہ ابن طاہر کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے. اور انھیں نیشاپور میں قید کر دیا گیا. وہ آخری عمر تک وہیں قید رہے، ایک اور شخص جو اس قیام میں شریک تھا. عبداللہ ابن اسماعیل ابن ابراہیم ابن محمد ابن علی ابن عبداللہ ابن جعفر ابن ابو طالب تھے. اسی طرح احمد ابن عیسی ابن علیؑ ابن الحسینؑ ابن علیؑ ابن ابی طالب نے حسن ابن زید کے قیام کی حمایت میں "ری" سے قیام کر دیا، اس کے اور متوکل کے خلاف حسین ابن احمد ابن محمد ابن عبداللہ ارقط ابن علیؑ ابن حسینؑ ابن علیؑ ابن ابی طالب نے قیام کیا اور وہ لوگوں میں "کوکبی" کے نام سے مشہور تھے. یہ متوکل کے خلاف آل ابو طالب کی مسلح تحریکوں میں سے چند کا تذکرہ تھا.

متوکل کا انجام!

متوکل جس نے آل ابو طالب کے ساتھ دشمنی کا کھلم کھلا اظہار کیا تھا اور ان کے ساتھ انتہائی بد اخلاقی سے پیش آتا رہا تھا۔ بالآخر اسے اپنی حکومت میں پھوٹ کا مشاہدہ کرنا پڑا۔ اور اس کے دربار میں اقتدار کی رسا کشی شروع ہوگئی اور یہی جھگڑا متوکل کی عمر کا چراغ گل کر گیا۔

اس پر اس حال میں محل کے اندر حملہ کیا گیا جب وہ شراب کے نشے میں مست و مخمور تھا اور وہ اسی حملے میں مارا گیا۔ اس کے قتل میں جو لوگ شریک تھے ان میں سے ایک اس کا بیٹا منتصر بھی تھا۔ متوکل کے قتل کے بعد منتصر کی بیعت ہوئی۔ اور متوکل کے قتل کے ساتھ ہی علویوں کے سروں سے خوف و ہراس کے بادل چھٹ گئے اور انہوں نے سکھ کی سانس لی۔

منتصر کا علویوں کے ساتھ رویہ نرم تھا اس نے ان پر دباؤ میں کمی کی اس نے ان کی املاک و اموال اور فدک جو کہ ایک سیاسی نعرہ بن چکا تھا اور

ایک تاریخی اہمیت حاصل کر چکا تھا۔

انھیں لوٹا دیا۔منتصر نے لوگوں کو حکم دیا کہ حضرت علیؑ اور حضرت امام حسینؑ کے حرموں کی زیارت کو جائیں اور وہاں علویوں کو رہائش کی اجازت بھی دے دی گئی۔ منتصر نے ۲۴۸ ہجری میں وفات پائی۔

منتصر کے بعد مستعین کی باری آئی اس کا نام احمد ابن محمد ابن معتصم تھا۔ اس کے زمانے میں بغداد اور سامراء میں سخت آشوب برپا رہا اور شرتوں کے تسلط اور حکومتی عہدوں پر ان کے اقتدار کے خلاف لوگوں کی زبانیں کھلنے لگیں۔ بغداد میں مظاہروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جس کے درمیان لوگوں نے بغداد کے قید جانے پر حملہ کر کے وہاں سے تمام قیدیوں کو رہائی دلوا دی۔ کچھ ناشناس لوگوں نے سامراء کے قید خانے پر حملہ کر کے اس خوفناک قید خانے سے بھی قیدیوں کو نکال لیا۔

یحییٰ ابن عمر طالبی کا انقلاب!

اسی پر آشوب دور میں ایک اور علوی تحریک یحیی ابن عمر ابن یحیی ابن زید ابن علیؑ ابن حسینؑ ابن علیؑ ابن ابی طالبؑ کی سرگردگی میں اٹھی. اس تحریک کا آغاز ۲۵۰ هجری میں ہوا . اس تحریک کی وجہ متوکل کے زمانے میں آل ابو طالب کے معاملات کے نگراں عمر ابن فرج کی بے جا زیادتیاں تھیں. عمر ابن مزج آل ابو طالب کے ساتھ سخت کلامی کرتا اور کلام کی پاکیزگی کی رعایت نہیں کرتا تھا، یحیی نے اسے اس کی باتوں کا بھرپور جواب دیا، اور اس کی شکایت متوکل سے کی جس کی وجہ سے عمر ابن فرج نے انھیں گرفتار کر کے مارنے اور اذیت دینے کیلئے قید خانے میں ڈال دیا. کچھ مدت کے بعد یحیی کے گھر والوں نے ان کی آزادی کے لئے ضمانت دی، یحیی آزادی کے بعد بغداد چلے گئے وہاں انہوں نے وصیف ترک کو اپنی کہانی کہہ سنائی. وصیف کے ساتھ اپنے مالی حقوق کی بات بھی کو وصیف نے بھی ان کے ساتھ سخت

کلامی کی اور ان سے کہا یہ حقوق تجھے کس وجہ سے ملے، جب یحیی نے دیکھا کہ ان کی نہ پذیرائی ہوئی ہے اور نہ انھیں حقوق مل سکے ہیں بلکہ اقتدار والے ان سے خطرہ محسوس کرنے لگے ہیں، تو یحیی کوفہ چلے آئے انہوں نے سوچ لیا تھا کہ اپنا حق پانے کے لئے اب مسلح قیام کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ، لہذا انہوں نے ایک عمومی تحریک کے لئے کوفہ میں کوشش شروع کر دیں. یہاں انہوں نے اپنے کچھ ہی خواہ بھی بنالئے. وہ لوگوں کو " رضاء آل محمدؐ" کی پیروی کی دعوت دیتے تھے یعنی بنی ھاشم میں تنہا وہ شخص جسے امت اسلامی کی رہنمائی کی لیاقت حاصل ہے اس دور میں تمام آل ابو طالب کا یہی نعرہ تھا اور عموماً اس سے مراد ائمہ معصومینؑ ہوتے تھے اس زمانے میں زیادہ تر اس سے امام ھادیؑ ہی مراد ہوتے تھے.

یحیی نے فلوجہ (عراق کا مغربی حصہ) کی طرف کوچ کیا اور پھر کوفہ سے اپنی تحریک کا آغاز کیا جس میں انھیں کسی حد تک کامیاں بھی ہوئی، یحیی نے زندانوں پر قبضہ کر کے وہاں سے قیدیوں کو آزاد کروا لیا انہوں نے بیت المال پر بھی قبضہ کر لیا جس کی خزانے کی مقدار دو ہزار دینار اور ستر ہزار درہم تھی. لوگوں کی اکثریت ان کی حمایت میں اٹھ کھڑی ہوئی اس کے بعد یحیی نے بنی عباس کی فوج کی طرف پیش قدمی کا آغاز کیا. ان دو فوجوں کا مقابلہ ایک بہت بڑی جنگ کا پیش خیمہ ثابت ہوا. یہ جنگ کوفہ سے باہر شاھی نامی جگہ پر لڑی گئی. اس جنگ میں یحیی مارے گئے. اور ان کی فوج کو شکست

ہوئی ۔ ان کا سر کاٹ کر مستعین کے پاس لے گئے تو اس نے حکم دیا کہ دوسروں کی عبرت کے لئے یحیی کا سر چوراہے پر لٹکا دیا جائے ۔ لیکن اس دردناک منظر نے لوگوں میں غم و غصے کی لہر دوڑا دی ۔ جس کی وجہ سے مستعین کو مجبوراً یحیی کا سر اتار کر بغداد بھیجنا پڑا وہاں بھی لوگوں کے غصے سے ڈرتے ہوئے اس سر کو لٹکا یا نہ جاسکا لہذا خلیفہ نے یحیی کے سر کو ایک صندوق میں بند کر کے حکومتی اسلحہ خانے میں چھپا دیا۔

یحیی ابن زید کے قتل کے بعد محمد ابن عبداللہ (یحیی کے قیام کے خلاف لڑنے فوج کا سالار) نے ایک محفل کا بند و بست کیا تاکہ اس کا وہاں پر لوگ اسے مبارکباد دینے آئیں، ان آنے والوں میں سے ایک داؤد ابن ہیثم ابوھاشم جعفری تھے انہوں نے عبداللہ سے کہا تم اسی شخص کی موت پر خوشیاں منا رہے ہو کہ اگر پیغمبر اکرمؐ زندہ ہوتے تو اس کی موت پر غمگین ہوتے، اس بات پر عبداللہ کو سوائے خاموشی کے کوئی جواب نہ سوجھ سکا[۳۴]۔

حسن ابن زید کا قیام!

ایک اور قیام جو آل علی ابن ابی طالب کے ذریعے وقوع پذیر ہوا حسن ابن زید ابن محمد ابن اسماعیل ابن زید ابن حسن ابن حسن ابن علی ابن ابی طالب کا قیام تھا. حسن ابن زید کا قیام طبرستان (مازندارن) کے مظلوم لوگوں کی آواز پر وقوع پزیر ہوا، جو عباسی حکوت کی طرف سے سخت دباؤ اور ظلم و ستم کا شکار تھے. اس علاقے کے لوگوں نے محمد ابن ابراہیم نامی علوی کو بیعت کی خاطر چن لیا لیکن انھوں نے اس معاملے میں اپنی بیعت سے انکار کرتے ہوئے لوگوں کو حسن ابن زید کی بیعت کی طرف رہنمائی کی ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میں تمھیں ایک ایسے شخص کے بارے میں بتلا رہا ہوں.

جو مجھ سے بہتر طور پر اس معاملے کو انجام دے سکتا ہے. لوگوں نے حسن ابن زید سے رابطہ کیا اور وہ ان کی دعوت قبول کرتے ہوئے ان کے پاس چلے آئے، دیلم، چالوس کلار اور ریان والوں نے ان کی بیعت کی اس

کے بعد طبرستان کے پہاڑوں کے دامن میں رہنے والوں اور اطراف واکناف کے دوسرے علاقے کے لوگوں نے بھی ان کی بیعت کر لی، حسن ابن زید نے ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ " آمل پر قبضہ کرنے کے لئے امل کی طرف کوچ کیا، آمل کے نواح میں بڑی سخت جنگ لڑی گئی جس میں خلیفہ کی فوجوں کو شکست ہوئی، حسن کامیابی کے ساتھ شہر میں داخل ہوے۔ اس کے بعد انہوں نے "ساری" شہر کی طرف کوچ کیا۔ وہاں بھی دونوں فوجوں کے درمیان بڑی خونی جنگ ہوئی بالآخر حسن ابن زید نے ساری شہر پر بھی قبضہ کر لیا، وہاں سے حسن نے "ری" کی علاقے کا قصد کیا اور وہاں بھی قبضہ کر لیا۔ "ری" میں انہوں نے " رضاء آل محمد کی پیروی" کا نعرہ بلند کیا۔ یہ سب واقعات مستعین کی خلافت اور امام ھادیؑ کی امامت کے دور میں وقوع پذیر ہوئے۔ مستعین کا انجام بھی متوکل جیسا ہوا اور وہ مخالفوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اس کا سر کاٹ کر بعد والے عباسی خلیفہ معتز کے سامنے پیش کیا گیا۔ جب مستعین کا سر معتز کے سامنے پیش کیا گیا وہ شطرنج کھیل رہا تھا اس سے کہا گیا کہ یہ معزول خلیفہ کا سر ہے تو معتز نے غرور کے ساتھ کہا ابھی ٹھہرو یہ بازی تمام ہو جائے، بازی مکمل ہونے کے بعد اس نے سر دیکھا اور اسے دفن کر دینے کا حکم دے دیا۔

مستعین کے بعد معتز کی خلافت ایسے حالات میں شروع ہوئی کہ جب سامراء، بغداد اور عباسی حکومت کے زیر نگین دوسرے علاقوں میں امن کی صورت حال اور سیاسی حالات انتہائی بدتر اور مخدوش ہو چکی تھی۔ امام ھادیؑ

ان تمام حوادث کو دیکھ رہے تھے اور عباسی حکومت کے ظلم و جور کو اپنی ذات سے دور رکھنے کی کوشش کرتے اور اسلامی معارف اور شرعی اقدار و اصول سے دفاع کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے تھے۔

عباسی حکومت اخلاقی طور پر پستی کے اس دور سے گذر رہی تھی کہ ماضی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ خلافت کی خاطر بیٹا باپ کو قتل کرتا اور بھائی بھائی کا سر کاٹ رہا تھا۔ ظلم و جنایت کا دور دورا تھا، اوباش کرسی اقتدار پر براجمان ہو چکے تھے، قوانین کا احترام ختم ہو چکا تھا، اور جہالت عام ہو چکی تھی یہ اس معاشرے کی عمومی حالات تھے لہذا امام ھادیؑ کا اصلی فریضہ اصول اسلام کا دفاع اور اسلامی تعلیمات کی نشرواشاعت کی خاطر دانشوروں، راویوں، اور محدثین کی تربیت کرنا تھا۔

امام هادیؑ کا علمی مقام!

مکتب اہلبیتؑ سے آگاہی

بلاشک اسلام، اسلامی حکومت اور اسلامی معاشرے کی اساس و بنیاد اس کا علمی اور ثقافتی پہلو ہے، رسول خداؐ کے قلب مبارک پر وحی کے نزول کے ساتھ ہی علم و معرفت کی کرنیں پھوٹتی ہیں اور لوگوں کی تاریک و سیاہ زندگی کو اپنے نور سے منور کر دیتی ہیں۔ ائمہ معصومینؑ کے پدر بزرگوار اور اس مبارک درخت کی جڑ علی ابن ابی طالبؑ کی ذات ہے حضرت مکتب اسلام کے بافضیلت اور شائستہ شاگرد ہیں حضرت علیؑ اسلامی معارف کو پیغمبراکرمؐ کی زبان سے صحیح طور پر حاصل کرنے والے اور مسلمانوں میں کتاب خدا، سنت رسولؐ اور اسلامی تعلیمات کے سب سے بڑے عالم تھے، واحدی نے اسباب النزول میں اپنی سند کے ساتھ بریدہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا!

"ان اللّٰہ امرنی ان ادنیک ولا اقصیک وان اعتلمک وتعی وحق علی اللّٰہ ان منزلت وتعیھا اذن واعیہ"۔

ترجمہ:

حضرت رسول خداؐ نے علی سے فرمایا کہ مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ تمہیں اپنے قریب رکھوں اور اپنے سے دور نہ کروں، تمہیں تعلیم دوں اور تم محفوظ کر لو۔ اور خداوند عالم پر ہے کہ آپ ان باتوں کو حفظ کر لیں اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ اسے محفوظ کر لینے والے کان حفظ کر لیتے ہیں۔

اسی آیت " وتعیہا اذن واعتیہ " کے ضمن میں کچھ دوسرے مفسرین جیسے ابن جریر طبری کساف میں زمخشری، مجمع میں ھیثمی اور الدر المنثور میں سیوطی نے ذکر کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے یہ آیت تلاوت کرنے کے بعد حضرت علیؑ کی طرف نظر کی اور فرمایا۔ میں نے خداوند سے درخواست کی کہ اس آیت کا مصداق آپ کو بنا دے، اور وہ کان آپ کے کان ہوں حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ "فما سمعت شئیاً من رسول اللّٰہ فتسیتہ" (کہ میں نے پیغمبرؐ سے کوئی ایسی چیز نہیں سنی جسے بھول جاؤں)

حضرت علیؑ نے بچپن سے زندگی رسولؐ کے گھر گذاری اور انہی کے دامن رحمت میں رہ کر پرورش پائی۔ جب رسول خداؐ نے نبوت کا اعلان کیا تو سب سے پہلے تصدیق کرنے والے حضرت علیؑ ہی تھے۔

حضرت علیؑ کی علمی شخصیت کے بارے میں رسول خداؐ نے فرمایا۔

اقضاکم علی[۶۵] .

علیؑ تم میں سب سے بہتر قاضی ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

اقضی امتی علی[۶۶] .

میری امت کے سب سے بڑے قاضی علیؑ ہیں۔

اور فرمایا:

انا مدینة العلم و علی بابها فمن اراد العلم فلیات الباب[۶۷] .

میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں جو علم کا خواہاں ہو وہ دروازے سے آئے۔

اور فرمایا:

انا دار الحکمة و علی بابها[۶۸] .

میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ۔

اور فرمایا:

من اراد ان یری آدم فی علمه و نوحاً فی طاعته و ابراہیم فی خلته و موسی فی هیبته و عیسی فی صفوته فلینظر الی علی ابن ابی طالب[۶۹] .

جو آدم کو اس کے علم میں نوحؑ کو اس کی عبادت میں، ابراہیم کو اس کی خلت میں موسی کو اس کی ہیبت میں اور عیسی کو اس کی صفوت میں دیکھنا

چاہے وہ علی ابن ابی طالب کی طرف دیکھ لے۔

حضرت علیؑ نے جو علم کے خزانے پیغمبرؐ کی ذات سے دریافت کئے انھیں یوں بیان فرماتے ہیں:

" علمنی رسول اللّٰہ الف باب من العلم واستبطن من کل باب الف باب "[۷۰]۔

مجھے رسول خدا نے علم کے ہزار باب کی تعلیم دی کہ ہر دروازے سے ہزار باب اور کھل گئے۔

صحابہ میں سب سے بڑے عالم جناب ابن عباس تھے جنہیں " حبر الامة " کہا جاتا ہے حبر عالم کو کہتے ہیں یعنی امت کے عالم اور یہ ابن عباس حضرت علیؑ کے شاگرد تھے۔ یہی ابن عباس حضرت علیؑ کے علم کے بارے میں کہتے ہیں، رسول خداؐ کے بعد علمی لحاظ سے سوائے علیؑ کے کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا لوگوں کو جب علمی مسئلہ در پیش ہوتا تو اس کے حل کے لئے علیؑ کے پاس آتے تھے یہاں تک کہ خلیفہ دوم نے کئی مرتبہ کہا لولاعلی لھلک عمر[۷۱]۔

اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

عثمان ابن عفان کی موت کے بعد لوگوں کے اصرار پر امر خلافت حضرت علیؑ کے حوالے کیا گیا۔ معاویہ ابن ابی سفیان نے حضرت علیؑ کی اطاعت سے انکار کر دیا۔ اس کے علاوہ کسی نے حضرت علیؑ کی مخالفت نہ کی

معاویہ نے شام میں اپنی علحدہ حکومت بنالی۔ اور حضرت علیؑ کے احکام ماننے سے انکار کر دیا۔ حضرت علیؑ نے صفین کے مقام پر معاریہ کے ساتھ جنگ کی اس کے باوجود معاویہ اپنی ریشہ دوانیوں سے باز نہ آیا۔ شام میں اموی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی معاویہ کی حکومت کے قلمرو میں تفسیر اور روایات میں ایسے آراء اور نظریات پیدا ہو گئے جو حضرت علیؑ کے مرکز حکومت کو فہ میں پائے جانے والے فقہی و تفسیری نظریات کے مخالف تھے یہی وجہ ہے کہ اہلبیتؑ کا فقہی مکتب فقہ جعفری کے عنوان سے دوسرے فقہی مکاتب سے جدا ہے اسی طرح اہلبیتؑ کا اخلاقی اور علمی مکتب بھی صوفی مکتب سے مکمل جدا ہے۔

اہلبیتؑ کے فقہی مکتب کا ابتدائی ڈھانچہ حضرت علیؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ امام زین العابدینؑ اور امام محمد باقرؑ کے ذریعے تشکیل پا چکا تھا۔ امام جعفر صادقؑ کے دور امامت میں جب کہ دوسرے فقہی مکتب فکر وجود پا رہے تھے۔ حضرت نے فقہ اہلبیتؑ کو ایک مکمل فقہی مکتب فکر کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کیا اور جب فقہی مکتب فکر کو مذہب کا نام دیا جانے لگا اور یہ اصطلاح معروف ہو گئی۔

تو ائمہ اطہارؑ کا فقہی مکتب فکر مذہب جعفری کے نام سے مشہور ہو گیا۔ حضرت علیؑ کا مکتب فکر ان کے شاگردوں اور اولاد میں جاری رہا اور جیسے جیسے مسلمانوں میں تفسیر، عقائد فقہ اور دوسرے علوم کی طرف توجہ عام ہوتی گئی اور تھذیب و تمدن میں ترقی ہوئی تو انھیں دن بدن احکام و قوانین، تفسیر

قرآن اور فہم سنت کی زیادہ سے زیادہ ضرورت کا احساس ہوتا گیا۔ بالخصوص اس وقت جب دوسری قوموں کے نظریات و اعتقادات اسلامی ممالک میں داخل ہو گئے انہی میں سے یہودیوں، مسیحیوں ، ھندؤوں ، یونانیوں او زردشتیوں کے ساتھ تعلقات کے نتیجہ میں ان کے فلسفی اراء و افکار ہیں یوں ہی مختلف زبانوں سے علوم کے ترجے عربی میں کئے گئے ۔ ان سب کے علاوہ اسلامی معاشرے میں کئی فقہی اور کلامی مکاتب فکر وجود پا چکے تھے ، کلام و اعتقادات میں مکتب معتزلہ اور میں مرجۂ فقہ میں مکتب قیاس و رائے کہ جسے "حماد" نے پیش کیا اور ابو حنیفہ نے اس کی پیروی کرتے ہوئے اسے آگے بڑھایا اخلاق اور سیرو سلوک میں مکتب تصوف اور تفسیر میں مکتب ظاہر یہ و باطنیہ۔ یہ انہی حکاتب فکر میں سے تھے۔ اور وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ بہت سی کلامی ، فقہی اور تفسیری آراء مختلف مکاتب فکر کی صورتوں میں پیدا ہوتی گئیں۔

لیکن یہ تمام مکاتب فکر فلاسفہ یونان کے افکار سے متاثر تھے جیسے معتزلہ ، اشاعرہ محدثین اور فلاسفہ ، مکتب اہلبیتؑ ان سب سے مشخص و ممتاز رہا امامت و خلافت اور دوسرے سیاسی مسائل میں مکتب اہلبیتؑ کے نظریات دوسرے مکاتب فکر سے مکمل طور پر جدا ہیں فقہ میں بھی جو آراء و نظریات دوسرے مکاتب فکر میں قیاس رائے اور الحان کے ذریعے وجود میں آئے ان سے مکتب اہلبیتؑ مکمل طور پر ممتاز ہے۔

ائمہ معصومینؑ کی تمام اسلامی معارف و علوم اور دوسرے شعبوں میں کوششیں جاری تھیں۔ ہر دور کے امام نے جس کے علم و تقوی اور فضیلت کے ان کے زمانے کے تمام بڑے بڑے فقہاء و فلاسفہ معترف تھے، اس مکتب کی ذمہ داری سنبھالی تھی۔

شیخ طوسی نے اپنی رجال کی کتاب الفہرست میں ایسے سیکڑوں اصحاب کے نام حروف تہجی کی ترتیب کے تحت لکھے ہیں جنھوں نے ائمہ سے تربیت حاصل کی اور پھر مختلف مسائل میں کتابیں تحریر کیں۔ شیخ نے ایسی ہزاروں کتابوں کے نام بھی لکھے ہیں جن کی اساس و بنیاد انہی معارف پر مشتمل ہے جو ائمہ سے حاصل کئے گئے۔

مکتب اہلبیتؑ کا یہ عظیم استغناء ائمہ معصومینؑ کے علمی استحکام اور دین الٰہی میں ان کے علوم کی گہری و عمیق نظر پر واضح دلیل ہے۔ امام ھادیؑ بارہ اماموں میں سے دسویں امام ہیں اور سیرت نگاروں نے انھیں اپنے زمانے کی عظیم سیاسی، علمی اور اخلاقی شخصیت قرار دیا ہے۔

شیخ طوسی جو آج سے ہزار سال پہلے حوزہ علمیہ نجف کے بانی تھے اور مذہب شیعہ کے بہت بڑے فقیہ و مجتہد، اپنی کتاب "الرجال" میں حضرت ھادیؑ کے ۱۵۸ اصحاب کا تذکرہ کرتے ہیں یہ وہ اصحاب ہیں جنھوں نے حضرت ھادیؑ سے روایات نقل کی ہیں۔

حضرت ھادیؑ اپنے دور میں دوسرے فقہاء، متکلمین اور دانشوروں

کے لئے مرجع و مرکز تھے حدیث و تفسیر و کلام کی کتابیں ہیں انہی کے علوم و معارف کی مرہون منت ہیں۔

مناسب ہے کہ ہم یہاں پر امام ھادیؑ کے بعض شاگردوں کا تذکرہ شیخ طوسی کی کتاب سے کریں تاکہ اسی طرح حضرت ھادیؑ کے علمی پہلو پر کچھ روشنی پڑ سکے۔

۱۔ ابو علی احمد ابن اسحاق ابن عبداللہ ابن سعد ابن امام احوص اشعری ،یہ بڑے بزرگوار شخص تھے اور امام حسن عسکریؑ کے اصحاب خاص میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے امام مھدی عج کا زمانہ بھی پایا اور اہل قم کے شیخ اور نمائندے بھی تھے یعنی قمیوں کی طرف سے معصومینؑ کی خدمت میں جاتے اور ان کے سامنے مسلمانوں کے مسائل و مشکلات پیش کرتے اور حضرتؑ سے ان معاملات میں رہنمائی طلب کرتے ،انہوں نے کچھ کتابیں بھی لکھیں جس میں سے کتاب علل الصلوہ [۲۲] اور مسائل الرجال ابوالحسن سوئمؑ (امام ھادیؑ) [۲۳] قابل ذکر ہیں۔

۲۔ حسین ابن سعید ابن حماد اھوازی یہ امام زین العابدین کے غلام تھے اور انہوں نے آٹھویں، نویں اور دسویں امام سے روایت کی ہے۔ یہ اصل میں کوفے کے تھے اس کے بعد اپنے بھائی کے ساتھ اھواز چلے گئے اور وہاں سے قم گئے اور حسن ابن ابان کے یہاں سکونت اختیار کر لی۔ اور وہیں وفات پائی۔ انہوں نے تیس کتابیں لکھیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔کتاب الوضوء ۔ ۲۔کتاب الصلوۃ ۔۳۔کتاب الزکوۃ ۔ ۴۔کتاب الصوم ۔ ۵۔کتاب الحج ۔ ۶۔کتاب النکاح والطلاق ۔ ۷۔کتاب الوصایا ۔ ۸۔کتاب الفرائض ۔ ۹۔کتاب اشجارات ۔ ۱۰۔کتاب الاجارات ۔ ۱۱۔کتاب شہادات ۔ ۱۲۔کتاب الایمان و النذر ۔ ۱۳۔کتاب الکفارات ۔ ۱۴۔کتاب الحدود والدیات ۔ ۱۵۔کتاب بشارات ۔ ۱۶۔کتاب زھد ۔ ۱۷۔کتاب اشرب ۔ ۱۸۔کتاب المثالظ.... [۶۴]۔

۳۔ داؤد ابن زید نیشاپوری یہ مورد اطمینان اور صاف گو انسان تھے یہ امام ہادیؑ کے اصحاب میں شمار ہوتے تھے ۔ انہوں نے کتابیں بھی لکھیں جو کشی نے ابن ندیم نے ذکر کی ہیں [۶۵]۔

۴۔ علی ابن مھزیارا ھوازی یہ امام ہادیؑ کے بڑے جلیل القدر اصحابی تھے اور انھیں بہت زیادہ روایات یاد تھیں ۔ انہوں نے ۳۳ کتابیں لکھیں جن میں سے کچھ یہ ہیں ۔

۱۔کتاب حسین ابن سعید ۔ ۲۔کتاب حروف القرآن ۔ ۳۔کتاب انبیاء ۔ ۴۔کتاب بشارات احمد ابن ابوعبداللہ برقی کہتے ہیں کہ علی ابن مھزیار نے حسین ابن سعید کی کتابوں کو دوبارہ لکھا اور ہر ایک میں پہلے کی بنسبت کئی گنا اضافہ کیا ۔ ان میں سے کتاب وضوء اور کتاب حج ہے اور بقیہ کتابوں پر بھی کچھ اضافہ کیا تھا ۔

۵۔ فضل ابن شاذان نیشابوری یہ بڑے فقیہ ، متکلم اور بافضیلت انسان تھے اور کئی کتابوں کے مصنف تھے ان میں سے چند یہ ہیں ۔کتاب

فرائض کبیر، کتاب فرائض صغیر، کتاب الطلاق، کتاب مسائل اربعہ فی امامۃ، کتاب الجوب لابن کرام، کتاب سوالات و جوابات، کتاب الرد علی الاسکافی الجسم۔

ان تاریخی مدارک سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ھادیؑ نے اہلبیتؑ کے اعتقادی مکتب کی ہدایت و ترقی میں کس قدر اہم کردار ادا کیا۔

آپ کے مخزن علم کے کچھ جواہر!

فقہ، حدیث، تفسیر اور کلام کی کتابیں امام هادیؑ کے علمی آثار سے بھری پڑی ہیں. یہاں ہم حضرت کے بعض حکیمانہ کلام نقل کرتے ہیں.

حضرت کے آثار میں سے آپ کو وہ مفصل خط ہے جو حرانی (۱۰) نے کتاب تحف العقول عن آل الرسولؐ میں ۱۵ صفحات پر مشتمل نقل کیا ہے، یہ خط امامؑ نے جبر و اختیار کے بارے میں کیے گئے سوالات اور اشکالات کے جواب میں لکھا تھا. چونکہ مسئلہ جبر و اختیار اسلامی ممالک میں بڑا پرانا مسئلہ تھا اور ہمیشہ سے مورد بحث و گفتگو تھا لہذا امام نے یہ خط بعض اسلامی ممالک کے لئے لکھا. اس خط کے آغاز میں آیا ہے.

من علی ابن محمد . سلام علیکم و علی من اتبع الهدی و رحمة الله و برکاته.

فانه ور د علی کتابکم و فهمت ماذ کرتم من اختلافکم فی دینکم و

حرصکم فی القدر و مقالة من یقول منکم بالجبر و من یقول بالتفویض و تفرقکم فی ذلک تقاطعکم و ماظهر من العداوة بینکم ، ثم سئلتمونی عنه و بیانه لکم و فهمت ذلک کله۔

ترجمہ:۔

علیؑ ابن محمدؑ کی جانب سے ..... تم لوگوں پر اور راہ ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر سلام اور رحمت و برکت خدا تمہارا خط ہمیں مل گیا. اور میں تم لوگوں کے دینی اختلاف سے مطلع ہوا. مجھے جبر و اختیار اور تفویض کے بارے میں تمہارے نظریات معلوم ہوگئے. اور تمہارے اختلاف اور اس بارے میں ہونے والے جھگڑوں کا پتہ چلا. تم لوگوں نے مجھ سے چاہا کہ اس بارے میں اپنا نظریہ لکھوں.......

اس خط کے مقدمہ سے اس زمانے کے کلامی مسائل میں سخت اختلافات اور ان کی سماجی و اجتماعی روابط و تعلقات پر اثرات کا پتہ چلتا ہے. اور سمجھا جاسکتا ہے کہ لوگوں میں اس مسئلہ کے بارے میں ضدو نقیض نظریات پائے جاتے تھے ،اسی طرح اس خط سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ امام ھادیؑ کو اپنے زمانے میں معاشرے کی علمی مرجعیت اور اسلامی معارف کے ادراک میں لوگوں کی فکری پناہ گاہ کی حیثیت حاصل تھی.

لوگوں سے اطاعت و معصیت کا صادر ہونا اور انسان کا اپنے اعمال کے مقابلے میں ذمہ دار ہونا اور خدا کا مخلوقات پر جبر و ستم سے پاک ہونا. یہ وہ امور

ہیں جن کے بارے میں اس خط میں بحث کی گئی ہے ان مسائل کی توضیح کی خاطر ہم اس خط کے کچھ حصے نقل کرتے ہیں۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں انسان کے اعمال کے بارے میں مسلمانوں میں تین نظریئے پائے جاتے ہیں۔

۱۔ پہلا نظریہ یہ ہے کہ آدمی اپنے اعمال پر مجبور ہے جیسے نہر میں پانی جاری ہے اسے خواہ نخواہ آگے بڑھنا ہے اسی طرح انسان سے عمل بھی صادر ہوتے ہیں انسان خود کوئی ارادہ یا اختیار نہیں رکھتا۔ انسان سے جو خیر و شر صادر ہوتا ہے حقیقت میں وہ کام خدا کرتا ہے، اس نظریئے والوں کو جبری کہا جاتا ہے۔

۲۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ انسانوں کو خود ان کے اوپر چھوڑ دیا گیا ہے خداوندعالم کا ان سے کوئی رابطہ نہیں نہ اسے ان کے اعمال میں کوئی دخل ہے اور نہ خدا قدرت رکھتا ہے کہ انسانوں کو برے کاموں سے روک سکے۔ اس نظریہ کے مطابق زندگی ارادہ الہی کے مطابق نہیں گذرتی۔ اس نظریہ کو نظریہ تفویض کہا جاتا ہے۔

۳۔ تیسرا نظریہ مکتب اہلبیتؑ کا نظریہ ہے جس کے مطابق نہ جبر صحیح ہے اور نہ تفویض بلکہ ان دونوں کے درمیان کی چیز ہے انسان خود ارادہ و اختیار رکھتا ہے اور اپنے اعمال میں مجبور بھی نہیں ہے لیکن اس کا ارادہ لامحدود نہیں ہے بلکہ خدا سے ہر اقدام سے روک سکتا ہے کبھی خداوندعالم

لطف وکرم کرتا ہے اور کسی کو ایک عمل کے انجام سے روک دیتا ہے اور کبھی کسی کی ذاتی خصوصیت کی وجہ سے کار خیر کے انجام دینے میں اس کی مدد کرتا ہے۔ امام ھادیؑ اپنے جد امام صادقؑ کی انہی باتوں کو موضوع سخن بناتے ہوئے اپنے اس خط میں اہم اور اساسی نکات کی وضاحت فرماتے ہیں کہ:

۱۔ جبر کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ جبر باطل ہے کیونکہ اس قول کی بناء پر لازم آتا ہے کہ خداوند لوگوں کو گناہوں پر مجبور کرتا ہے اور انھیں انہی گناہوں پر عذاب کرے گا حالانکہ قرآن میں خدا وضاحت کے ساتھ فرماتا ہے کہ خدا اپنے بندوں پر ظلم وستم نہیں کرتا، ارشاد ہے:

"ولا یظلم ربک احداً" (کھف/۴۹)۔

تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

"ذلک بما قدمت یداک و ان اللّٰہ لیس بظلام للعبید" (آل عمران/۱۸۲)۔

جو کچھ تمھیں پہنچتا ہے وہ تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے ہے اور خداوند اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

"ان اللّٰہ لا یظلم الناس شیئاً ولکن الناس انفسھم یظلمون" (یونس/۴۴)۔

خداوند لوگوں پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا بلکہ خود لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔

اس بارے میں آیات بہت زیادہ ہیں۔

٭ اور تفویض کے عقیدہ کو بھی امام جعفر صادقؑ نے باطل قرار دیا ہے۔ تفویض کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے اپنے امر و نہی لوگوں کو دے کر انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا ہے۔

اس نظریہ میں ایک بڑا دقیق نکتہ پایا جاتا ہے اور ائمہؑ نے اس نکتہ پر خاص توجہ دی ہے اور اس نظریئے کی غلطی کو بیان فرمایا ہے۔ اس بارے میں ائمۂ معصومینؑ یوں فرماتے ہیں:

اگر ہم قائل ہو جائیں کہ خدا نے تمام کام انسان پر چھوڑ دیئے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا انسان جو کام بھی کرے خدا کو خوش ہونا چاہیے۔ اور اگر خدا خوش ہو تو ان کاموں پر اسے اجر بھی دے گا۔ اور جب تمام امور لوگوں کے اختیار میں دے دیئے جائیں تو خداوندعالم انھیں برے کاموں پر عذاب بھی نہیں کر سکے گا۔ تو گویا جو لوگ اس نظریئے کے قائل ہوئے کہ خداوند عالم نے تمام اعمال کا اختیار خود انسانوں کے سپرد کر دیا ہے۔ حقیقت میں انہوں نے خداوند کی کمزوری اور ناتوانی کا فتوی دیا ہے۔ اور وہ انسان کے تمام اچھے برے اعمال کے قبول کرنے پر مجبور ہے۔

پس گویا الٰہی امر و نہی اور آخرت کے ثواب و عذاب کا وعدہ بھی باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ فرض یہ ہے کہ خداوند نے اعمال کا اختیار انسانوں کے سپرد کر دیا ہے اور تمام کام بندوں کے سپرد کر دیئے ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو ایمان

اختیار کر لیں اور چاہیں تو کفر اختیار کرلیں انھیں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آسکتی.

پس اگر کوئی تفویض کے یہ معنی قبول کرلے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی نظر میں تمام الٰہی اوامر و نواھی اور ثواب و عذاب کے وعدے باطل ہوگئے. اس طرح وہ شخص اس آیت کا مصداق ہو جائے گا.

افتؤ منون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض فما جزاء من یفعل ذلک منکم الاخزی فی الحیاۃ الدنیا ویوم القیامۃ یرجون الی اشد العذاب و ما اللّٰہ بغافل عما تعملون (بقرہ/۸۵).

کیا تم کتاب خدا کے کچھ حصے کو قبول کرتے ہو اور دوسرے بعض حصے کا انکار کرتے ہو پس جان لو کہ جو ایسا کرے گا دنیا میں ذلیل ہوگا. اور قیامت کے دن انھیں سخت عذاب کی امید رکھنی چاہیے. اور خدا جو کچھ وہ کرتے ہیں اس سے غافل نہیں ہے.

خداوند اس سے بالاتر ہے جو کچھ تفویض والے سوچتے ہیں. بلکہ:

ان اللّٰہ عزوجل خلق الخلق بقدرتہ ، و ملکھم استطاعۃ تعبدھم بھا ، فامرھم ونھاھم بما اراد ، فقبل منھم اتباع امرہ و رضی بذلک منھم ونھاھم عن معصیتہ و ذم من عصاہ و عاقبہ علیھا وللّٰہ الخیرۃ فی الامروالنھی ، یختار ما یرید و یامر بہ ، وینھی عما یکرہ ، و یعاقب علیہ بالا ستطاعۃ التی ملکھا عبادہ ، لاتباع امرہ ،

واجتناب معاصیه ، لانه ظاهر العدل والنصفة والحکمة البالغة .

۱۳۔ تیسرا نظریہ جو کہ برحق ہے یہ ہے خداوند نے مخلوق کو اپنی قدرت کے ساتھ خلق کیا اور اسی نے انھیں اس قدرت کا مالک بنایا جس کے ذریعے وہ اس کی عبادت کرتے ہیں۔ خدا نے انھیں جو چاہا اس کا حکم دیا اور جو چاہا اس سے انھیں روکا۔ اس نے ان سے اپنے امر کا اتباع قبول کیا اور اسی کے ذریعے ان سے راضی ہوا اور انھیں اپنی نافرمانی سے روکا۔ اپنی نافرمانی پر ان کی مذمت کی اور اس نافرمانی پر انھیں عذاب کیا۔ امر و نہی کا اختیار صرف خدا کو حاصل ہے جو ارادہ کرتا ہے اختیار کرتا ہے اور اس کا امر کرتا ہے اور جسے ناپسند کرتا ہے اس سے روکتا ہے، اور اس پر عذاب کرتا ہے اس استطاعت کے ذریعے جو اس نے بندوں کو عطا کی تاکہ وہ اس کے اوامر کی پیروی کریں۔ اور اس کے معاصی سے اجتناب کریں۔ کیونکہ خداند عدل اور انصاف کا مظہر ہے اور حکمت کاملہ رکھتا ہے۔[۷۷]

اس طرح سے امام ھادیؑ نے ایک بہت ہی حساس اعتقادی مسئلہ بیان فرمایا۔ اور اس کے لئے دقیق توضیح ذکر کی خدا کے ارادہ اور لوگوں کے ارادہ کے درمیان صحیح ارتباط بیان کیا۔

امام ھادیؑ سے اس آیت کے معنی کے بارے میں پوچھا گیا۔

فان کنت فی شک مما انزلنا الیک فاسئل الذین یقرؤون الکتاب

اگر تم اس چیز کے بارے میں شک میں ہو جو ہم نے تم پر نازل کی تو ان سے سوال کرو جنہوں نے کتاب (انجیل) پڑھی ہے.

امام نے فرمایا:

ای المخاطب رسول اللہ ولم یکن فی شک مما انزل اللہ الیہ ، ولکن قالت الجھلۃ .کیف لم یبعث اللہ نبیا من الملائکۃ ، اذلم یفرق بینہ و بین نبیہ و بیننا فی الاستغناء عن الما کل والمشارب والمشی فی الاسواق ، فلوحی اللہ الی نبیہ ..

فاسئل الذین یقرؤون الکتاب بمحضر الجھلۃ ھل بعث اللہ رسولا قبلک الا وھویاکل الطعام ، ویمشی فی الاسواق ولک بھم اسوۃ ، وانماقال ، " فان کنت فی شک ، ولم یکن شک ولکن للنصفۃ کما قال ، تعالوا ندع ابناء نا وابناء کم ونساء نا ونساء کم وانفسنا وانفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین ولوقال ، علیکم ای لعنۃ اللہ علیکم) لم یجیبوا الی المباھلۃ ، وقد علم اللہ ان نبیہ یؤدی عنہ رسالتہ و ما ھومن الکاذبین . فکذلک عرف النبی انہ صادق فیما یقول ، ولکن احب ان ینصف من نفسہ . (۷۸)

ترجمہ:

اس آیت میں خطاب رسول خدا سے ہے و رسول اکرمؐ کو اس میں کوئی شک نہیں تھا جو کچھ ان پر نازل ہوا لیکن چونکہ نادان مشرکین کہتے تھے

خدا نے فرشتوں میں سے نبی کیوں نہیں بھیجا۔ اس میں اور ہم میں کیوں فرق نہیں ہے وہ ہماری طرح کھاتا پیتا ہے اور گلیوں میں چلتا ہے۔ اس کے جواب میں خداوند نے نبی اکرمؐ سے فرمایا۔

فاسئل الذین یقرؤون الکتاب۔

یہ آیت مشرکین کے سامنے نازل ہوئی جس میں کہا گیا کہ کیا تم سے پہلے والے انبیاء کھانا، نہیں کھاتے تھے اور گلیوں میں چلتے نہیں تھے۔ حالانکہ آپ ان انبیاء کے نمونہ ہیں۔ اور جو فان کنت فی شک..... کہا اس سے مراد پیغمبرؐ کی ذات گرامی نہیں ہے بلکہ یہ جملہ کلام میں عدالت و برابری کی رعایت کی خاطر استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:

قل تعالوا ندع ابناء نا وابناء کم ونسائنا ونساء کم وانفسنا و انفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنة اللّٰہ علی الکاذبین۔

آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ۔ ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ ہم اپنی جانوں کو بلاتے ہیں تم اپنی جانوں کو بلاؤ اس کے بعد خدا کی درگاہ میں دعا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔

اگر آیت شریفہ میں "علی الکازبین" کے بجائے "علیکم" کی لفظ استعمال کی جاتی یعنی خدا کی لعنت تم پر ہوگی۔ تو عیسائی کبھی مباہلہ کو قبول نہ کرتے، حالانکہ خداوند جانتا تھا کہ پیغمبرؐ نے اپنا فریضہ ادا کر دیا ہے اپنے کلام

میں سچا ہے اور جھوٹ نہیں بولا لیکن خداوند پسند فرماتا ہے کہ یہاں بھی کلام میں عدل و انصاف کو مدنظر رکھے۔

حضرت ھادیؑ کا ایک اور حکیمانہ ارشاد جو کہ ایک فقہی مسئلہ کے جواب میں فرمایا۔ مسئلہ یہ تھا۔

اگر کوئی شخص شرعی و اسلامی حکومت پر سرکشی کرے اور شورش برپا کرے تو اس کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے۔ یہ سوال ان سوالات کے ضمن میں تھا جو قاضی-یحیی ابن اکثم نے موسی مبرقع (امام ھادیؑ کے بھائیؑ) سے کئے تھے۔-یحیی نے یوں سوال کیا تھا۔

کہ مجھ سے پوچھا گیا تھا کہ حضرت علیؑ نے جنگ صفین میں حکم کیوں دیا تھا۔ کہ کسی کا لحاظ نہ کیا جائے جو جنگ کرے اسے بھی قتل کر دیں اور جو جنگ سے بھاگ نکلے اسے سے قتل کر دیں۔ حتی زخمیوں کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا۔ حالانکہ جنگ جمل میں حضرت علیؑ نے اس طرح نہیں کیا بلکہ بھاگنے والوں کو جانے دیا اور اپنے سپاھیوں سے کہا جو شخص اپنے گھر میں داخل ہو جائے وہ امان میں ہے جو بھی اسلحہ زمین پر رکھ دے اسے کچھ نہ کہا جائے اگر ان دو اقدام میں سے ایک صحیح ہے تو دوسرا ضرور غلط ؟!

امام ھادیؑ نے جواب میں فرمایا۔

(واما قولک ، ان علیاً فقتل لھل صفین مقبلین ومدبرین واجازعلی جریحھم وانه یوم الجمل لم یتبع مولیا ولم یجز علی

جريح ومن القى سلاحه آمنه ومن دخل داره آمنه، فان اهل الجمل قتل اما مهم ، ولم تكن فئة يرجعون اليها ، وانما رجع القوم الى منازلهم غير محار بين ، ولا مخالفين ولا منا بذين ، وضعوا بالكف عنهم ، فكان الحكم فيهم رفع السيف عنهم . والكف عن اذاهم ، اذالم يطلبواعليه اعوانا ، واهل صفين كانوا يرجعون الى فئة مستعدة و امام يجمع لهم السلاح والدروع والرماح والسيوف ، ويسنى لهم العطاء ، يهيئى لهم الانزال ، ويعود مريضهم ويجبر كسيرهم ويداوى جريحهم ويحمل راجلهم ، ويكسو حاسرهم ، ويردهم فيرجعون الى محاربتهم وقتالهم . فلم يساوى بين الفريقين فى الحكم ، كما عرف من الحكم فى قتال اهل التوحيد ، لكنه شرح ذلك لهم ، فمن رغب عرض على السيف ، اويتوب من ذلك، (۷۹)

یہ جو تم نے پوچھا کہ علیؑ نے جنگ صفین میں یہ حکم کیوں دیا کہ زخمیوں اور بھاگنے والوں کو بھی مار دیا جائے۔ اور جنگ جمل میں انھیں امان دی اور فرمایا، جو بھی گھر چلا جائے اسے کچھ نہ کہا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جنگ جمل میں مخالفین کا رہبر مارا گیا تھا لہذا اب کوئی ایسا شخص نہیں تھا کہ لوگ بھاگ کر اس کے پاس جاتے بلکہ لوگ اپنے گھروں کو گئے اور اب وہ جنگ و مخالفت کے لئے جمع نہیں ہوسکتے تھے۔ انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے تو

حضرت علیؑ نے بھی حکم دیا کہ انھیں مارا نہ جائے اور تکلیف نہ پہنچائی جائے لیکن جنگ صفین میں یہ لوگ پلٹ کے ایک گروہ کی طرف جاتے جو آمادہ جنگ تھا اور ان کا رہبر زندہ تھا جو ان کے لئے اسلحہ جمع کرتا، کھانا دیتا ان کے مریضوں اور زخمیوں کا مداوا کرتا۔ ان کے پیادوں کو سواری دیتا اور وہ دوبارہ جنگ کے لئے تیار ہو کر آجاتے۔ لہذا یہ وجہ تھی کہ حضرت علیؑ نے دونوں فریقوں کے درمیان حکم میں مساوات نہ کی اور چونکہ اہل صفین نے مسلمانوں اور اہل توحید کے ساتھ جنگ کی تو ایسے اشخاص کا حکم یہی ہے۔ اور جو لوگ جنگ پر آئے تھے حضرت علیؑ نے یہ نکتہ انھیں بتلا دیا تھا۔ کچھ نے قبول نہ کیا تو وہ مارے گئے اور کچھ نے توبہ کرلی اور لوٹ گئے۔

ایک دوسری جگہ پر حضرت ھادیؑ نے توحید اور صفات خدا کے بارے میں گفتگو فرمائی، اور توحید کے قرآنی مفاہیم کی تشریح مکتب اہل بیتؑ کی روشنی میں یوں کی ہے:

ان اللّٰه لا یوصف الا بما وصف به نفسه وانی یوصف للذی تعجز الحواس ان تدرکه، والا وهام ان تناله والخطرات ان تحده، والا بصار عن الا حاطة به، نای فی قربه و قرب فی نایه، کیف الکیف بغیر ان یقال، کیف واین الاین بلا ان یقال، این... هو منقطع الکیفیة والا ینیة، الواحد الاحد، جل جلاله، وتقدست اسماء ه[۸۰].

حضرت نے فرمایا، خداوند عالم کی توصیف نہیں کی جاسکتی مگر اسی طرح

جیسی خود اس نے اپنی صفت بیان کی ہے اور کیسے وصف بیان کیا جاسکتا ہے اس کا کہ حواس اس کے درک سے، اوھام اس کے پالینے سے، افکار اس کی حد بندی سے، اور آنکھیں اس کے احاطے سے عاجز ہیں۔ وہ خداوند جو نزدیک ہوتےہوئے دور ہے اور دور ہوتے ہوئے نزدیک ہے کسی چیز کی کیفیت کے بارے میں کیف کے ساتھ اور کس چیز کے مکان کے بارے میں این کے ساتھ سوال کیا جاتا ہے جب کہ خدا نہ کیفیت رکھتا ہے اور نہ مکان وہ خدائے وحدہ لاشریک ہے۔ بسیط ہے اور اس کے اسماء مقدس ہیں۔

حضرت ھادیؑ نے جو حکیمانہ کلمات جو اخلاقی، تربیتی اور اجتماعی مسائل کے بارے میں بیان فرمائے ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

من امن من مکر اللّٰه والیم اخذه تکبر، حتی یحل به قضاءه و تاخذ امره ومن کانت علی بینة من ربه هانت علیه مصائب الدنیا، ولوقرض ونشر۔

جو خدا کی پکڑ اور مکر سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھ لے وہ تکبر کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ خدا کی قضاء پہنچ جاتی ہے اور اسے پکڑ لیتی ہے اور جو خدا کی طرف سے واضح دلیل کے ساتھ زندگی گذارے، تو دنیاوی مصائب اس پر آسان ہو جاتے ہیں چاہے اسے قینچی سے کاٹ کر بکھیر دیا جائے۔

الشاکر اسعد بالشکر منه بالنعمة التی اوجبت الشکر، لان النعم متاع والشکر نعم وعقبی۔

جو شخص نعمت پر شکر بجا لاتا ہے وہ خود اس نعمت سے زیادہ بہتر جو شکر کا موجب بنی کیونکہ نعمتیں وہ چیزیں ہیں جو ختم ہو جاتی ہیں اور شکر وہ نعمت ہے جو باقی رہتی ہے۔

فرمایا،

ان اللّٰه جعـــل الدنیا دار البلوی، والا خرة دار عقبی، وجعل بلوی الدنیا لثواب الا خرة مسببا و ثواب الا خرة من بلـــوی الدنیا عوضا۔

خداوند عالم نے دنیا کو آزمائش کا گھر بنایا اور آخرت کا انجام کو گھر اور دنیاوی آزمائشوں کو اخروی ثواب کے پانے کا ذریعہ بنایا اور اخروی ثواب کو دنیاوی آزمائشوں کا عوض بنایا۔

ان الظالم الحاکم یکاد ان یعفی علی ظلمه بحلمه و ان المحق السفیه یکاد ان ینطفی نور حقه بسفهه۔

بتحقیق ظالم حاکم قریب ہے کہ اپنے حلم و بردباری کی وجہ سے بخش دیا جائے اور حق والا نادان انسان ممکن ہے اپنی نادانی کی وجہ سے اپنے حق کا نور خاموش کر دے۔

من جمع لک وده ورایه فاجمع له طاعتک۔

جو تمہارے لئے اپنی محبت اور عقل کو کام میں لائے تم بھی اس کی پیروی کرو۔

من هانت عليه نفسه فلا تامن شره.

جسے اپنی عزت کا پاس نہ رہے اس کے شر سے بچو.

الدنيا سوق، ربح فيها قوم، وخسر آخرون.

دنیا بازار ہے جہاں کچھ لوگ نفع اٹھاتے ہیں اور کچھ لوگ گھاٹے

میں رہتے ہیں.

اور شیعوں کی ہدایت و رہبری کا فریضہ انجام نہ دے سکیں۔

یوں حضرت کی زندگی کا بڑا حصہ عباسی دار الخلافہ سامراء میں گزر گیا۔، بالآخر ۲۵۴ ھجری رجب کے مہینہ میں حضرت سامراء میں شہادت سے ہمکنار ہوئے اور انھیں ان کے گھر میں سپرد خاک کیا گیا۔

امام ھادیؑ سامراء میں دس سال چند ماہ ٹھہرے اور حضرت کی شہادت خلیفہ معتز کی خلافت کے دور میں ہوئی اور شہادت کے وقت حضرت کی عمر شریف اکتالیس (۴۱) سال تھی [۹۰] آج بھی حضرت کا مزار سامراء میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

درود و سلام ہو ان پر اور ان کے پاک آباء و اجداد پر

حوالہ جات

۱۔ اعلام الوری باعلام الھدی۔ ص / ۲۳ا چھٹی صدی ہجری کے مشہور عالم شیخ طبری کی تالیف۔

۲۔ المراجعات میں یہ روایت مختصر سے فرق کے ساتھ ترمذی، نسائی، احمد ابن حنبل اور مستدرک میں حاکم سے نقل کی گئی ہے اور متعدد اسناد رکھتی ہے۔

۳۔ تاریخ یعقوبی جلد / ۲۔ حجۃ الوداع سے متعلق حصہ میں۔

۴۔ نورا الدین علی ابن محمد ابن احمد ابن عبداللہ صفاقسی معروف بہ ابن صباغ مالکی، اس کے شاگرد شمس الدین محمد ابن عبد الرحمان سخاوی کتاب (الضوءاللا مع لاھل القرآن التاسع) کے بقول ابن صباغ کا تعلق غزہ سے تھا وہ ۸۴ء ہجری ذی الحجہ کے پہلے عشرے میں مکہ میں پیدا ہوئے اور ابن صباغ مالکی کے نام سے مشہور ہوئے کیونکہ وہ مالکی مذہب کے بڑے عالم تھے (الفصول المہمہ کے مقدمہ سے نقل کیا ہے)

۵۔ الفصول المہمہ فی معرفت الائمہ کا مقدمہ۔

۶۔ الفصول المہمہ فی معرفت الائمہ کا مقدمہ۔

۷۔ کتاب الفصول المہمہ کا مقدمہ۔

۸۔ الفصول المہمہ ص / ۲۶ و ص / ۲۷۔

۹۔ فی معرفۃ الائمہ۔

۱۰۔ اسباب النزول واحدی۔

۱۱۔ اسباب النزول واحدی۔

۱۲۔ اسباب النزول واحدی

۱۳۔ اسباب النزول واحدی۔

۱۴۔ الفصول المہمہ فی معرفۃ الائمہ۔ ابن صباغ مالکی۔

۱۵۔ امام رضاؑ کی ولی عہدی کی طرف اشارہ ہے۔

۱۶۔ الفصول المہمہ۔ ص / ۲۰۸۔

۱۷۔ الفصول المہمہ۔
۱۸۔ الفصول المہمہ۔ ص / ۲۷۷، اعلام الوری / طبری۔ ص / ۳۵۶۔
۱۹۔ اس راز کی فضیلت جو اشعری نے سنا تھا۔
۲۰۔ ارشاد شیخ مفید م ۴۱۳ ہجری / ص۔ ۳۲۸۔
۲۱۔ مآثر الکبراء جلد۔ ۳ نقل از علی محمد علی دخیل۔
۲۲۔ الفصول المہمہ۔ ص / ۲۷۸۔
۲۳۔ الفصول المہمہ۔ ص / ۲۷۹۔
۲۴۔ شذرات الذهب جلد / ۲۔ ص / ۱۲۹۔ نقل از کتاب امام ھادیؑ مصنف علی محمد علی دخیل۔
۲۵۔ اعلام الوری جلد۔ ۳۔ ص / ۳۵۵۔
۲۶۔ اعلام الوری۔
۲۷۔ تذکرہ الخواص۔ ابن جوزی۔ ص / ۳۶۰۔
۲۸۔ تذکرہ الخواص۔
۳۰۔ الفصول المہمہ فی معرفت الائمہ کا مقدمہ۔
۳۱۔ اعلام الوراى۔
۳۲۔ کامل فی التاریخ جلد۔ ۶ / ص۔ ۳۵۲۔
۳۳۔ الکامل فی التاریخ جلد۔ ۶ / ص / ۳۳۹۔
۳۴۔ الکامل فی التاریخ جلد۔ ۶ / ص / ۳۳۹۔
۳۵۔ الکامل فی التاریخ جلد۔ ۶ / ص / ۳۳۹۔
۳۶۔ الکامل فی التاریخ جلد۔ ۶ / ص / ۳۳۹۔
۳۷۔ یہ مقاتل الطالبین۔ ص / ۳۲۸ و تاریخ طبری ذیل حوادث ۲۱۹ھ
۳۸۔ تاریخ یعقوبی۔ ص / ۴۷۴۔
۳۹۔ تاریخ ابن اثیر جلد۔ ۶ / حوادث ۲۱۹۔
۴۰۔ الفصول المہمہ فی معرفت الائمہ کا مقدمہ۔
۴۱۔ تاریخ طبری حوادث ۲۲۷ھ ہجری۔
۴۲۔ تاریخ طبری حوادث ۲۲۷ھ ہجری۔
۴۳۔ ابوالفرج اصفہانی کہتا ہے ہمیں نہیں ملتا کہ واثق کے دور میں کسی کو قتل کیا گیا ہو

۴۴۔ تاریخ یعقوبی جلد۔ ۲/ ص۔ ۴۷۹۔
۴۵۔ مزید اطلاع کے لئے تاریخ طبری کی طرف رجوع کریں حوادث ۲۳۱ھ۔
۴۶۔ تاریخ کامل جلد۔ ۶۔ ۷/ ص/ ۵۵۔
۴۷۔ تاریخ کامل جلد۔ ۶۔ ۷/ ص/ ۵۵۔
۴۸۔ تاریخ ابن اثیر جلد۔ ۷/ ص۔ ۵۵۔
۴۹۔ مقاتل الطالبین/ ۳۹۴۔
۵۰۔ مقاتل الطالبین/ ۳۹۴۔
۵۱۔ مقاتل الطالبین۔
۵۲۔ ایک مستشرق بنام ڈاکٹر ڈونلڈسن اپنی کتاب " عقبات مقدسہ " میں لکھتا ہے کہ حضرت ھادیؑ سامرہ میں ۲۰ سال رہے اور سید ھاشم معروف حسنی نے بھی اپنی کتاب سیرہ ائمہ اثنا عشریہ میں کہا ہے کہ حضرت ھادیؑ سامراء میں ۲۰ سال اور چند مہینے رہے۔
۵۳۔ بحار الانوار جلد۔ ۵۰/ ص/ ۱۹۱ چاپ۔ ۳۔
۵۴۔ تاریخ یعقوبی جلد۔ ۲/ ص/ ۴۸۴۔
۵۵۔ ارشاد شیخ مفید۔ ص/ ۳۳۴ الفصول المہمہ۔ ص/ ۲۸۰۔
۵۶۔ تذکرۃ الخواص۔ ص/ ۳۵۹۔
۵۷۔ الفصول المہمہ۔ ص/ ۲۸۰۔
۵۸۔ اعلام الوری۔ ص/ ۳۴۰/ چاپ/ ۳۔
۵۹۔ اعلام الوری۔
۶۰۔ اعلام الوری۔
۶۱۔ شیخ مفید ــــ ارشاد۔
۶۲۔ الفصول المہمہ۔ ص۔ ۲۸۲۔
۶۳۔ اعلام الوری۔ ص/ ۳۴۳۔
۶۴۔ تاریخ کامل جلد۔ ۷/ حوادث ۲۵۰ ہجری۔
۶۵۔ حافظ طبرانی نے معجم صغیر میں اور بخاری صحیح بخاری میں آیت ما ننسخ کے ذیل میں۔
۶۶۔ حافظ طبرانی نے معجم صغیر میں اور بخاری صحیح بخاری میں آیت ما ننسخ کے ذیل میں۔
۶۷۔ جامع صغیر از ابوبکر سیوطی حدیث نمبر۔ ۲۷۰۵، حاکم در مستدرک اور طبرانی در دار الکبیر کے نقل

کے مطابق۔

۶۸۔ جامع صغیر از ابو بکر سیوطی حدیث نمبر۔ ۲۷۰۵، حاکم در مستدرک اور طبرانی اردار الکبیر کے نقل کے مطابق۔

۶۹۔ تفسیر کبیر فخررازی در ضمن آیت / ۶۱ سورہ آل عمران۔

۷۰۔ تفسیر لنبیہ فخررازی آیت "ان اللہ اصطفی آدم و نوحاً" کے ضمن میں

۷۱۔ الریاض النظرہ مصنفہ محب الدین الطبری جلد / ۲۔ ص / ۱۹۴، کنز العمال متقی ھندی جلد / ۳۔ ص / ۹۶۔ ا اسی کے ضمن میں بیہقی نے سنن جلد / ۲۔ ص / ۳۳۴۔ میں ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے

۷۲۔ رجال۔ نجاشی میں علل روز آیا ہے۔

۷۳۔ فہرست شیخ طوسی متوفی / ۴۶۰ ہجری

۷۴۔ فہرست شیخ۔

۷۵۔ فہرست شیخ۔

۷۶۔ حرانی چوتھی صدی ہجری کے مشہور و معروف عالم تھے۔

۷۷۔ تحف العقول۔

۷۸۔

۷۹۔ تحف العقول۔

۸۰۔ ارشاد شیخ مفید۔ تذکرہ الخواص سبط ابن جوزی۔